بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ذکر

فان الذکریٰ

تنفع المومنین

خطباتِ محمود

جو

سیدنا و امامنا حضرت اقدس میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

نے

جون ۱۹۱۴ء سے اخیر دسمبر ۱۹۱۴ء تک

ارشاد فرمائے

پبلشر

خاکسار محمد شفیع احمدی مالک

نور اینڈ کمپنی کٹڑہ جیمل سنگھ امرتسر

۱۹۳۴ء

قیمت ۱۰/

التماس

۱۱۲ نیازمند کی مدت سے خواہش تھی کہ حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے پُرمعارف خطبات جو بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح شائع ہوتے ہیں ایک لڑی میں منسلک کر کے ہدیۂ احباب کروں۔ اِس غرض سے حضور کی خدمتِ اقدس میں باادب درخواست پیش کی تو حضور کی طرف سے حسب ذیل اجازت نامہ موصول ہوا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۴/۴۲۴ ۱۳۰۲

بخدمت مکرم اخویم محمد شفیع صاحب۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپکی درخواست مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۳۴ء جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے خطبات جمعہ و عیدین پہلی جلد سے آگے ہر سال علیحدہ علیحدہ جلد چھپوانے کی آپ نے اجازت چاہی ہے، حضرت اقدس کے ملاحظہ میں آئی۔ حضرت اقدس نے اجازت دیدی ہے کہ بیشک چھپوا دیں۔ اللہ تعالیٰ آپکا حامی و ناصر ہو۔ والسلام

(دستخط) شیر علی عفی عنہ ناظر تالیف و تصنیف

میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے احباب کرام و بزرگان عظام سے باادب التماس کرتا ہوں کہ مجھے سلسلہ عالیہ احمدیہ سے جو محبت اور اُنس ہے یہ اسی کا کرم ہے کہ میں اس اہم کام کو سرانجام دے رہا ہوں ورنہ مجھے اپنی کم علمی و کم استطاعتی کا خود احساس ہے کیونکہ من آنم کہ من دانم۔ امید ہے کہ بزرگان کرام میری کم علمی کو نظر انداز کرتے ہوئے میری خدمات کو ملحوظ رکھ کر حوصلہ افزائی فرمائینگے

میں اس موقعہ پر چوہدری دل محمد صاحب مولوی فاضل مبلغ سلسلہ احمدیہ کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت نکالکر خطبات کی سُرخیاں لگائیں اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ اخیر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں التماس ہے کہ حضور خاکسار کیلئے دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرماوے کہ میں اس مقدس سلسلہ کو علم دوستوں کے حلقہ میں پہنچا سکوں تاکہ دنیا کی رہنمائی کے لئے مشعل ہدایت ہو۔

نیازمند محمد شفیع

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم　　　نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خطبہ جمعہ

محکوم قوم میں حکومت کرنیکی قابلیت پیدا کرنے کے ذرائع اور اپنی جماعت کو نصیحت

فرمودہ ۱۲ / جون ۱۹۱۴ء

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ (سورۃ بقرہ ع ۶)

انسان کی طبیعت پر گرد و نواح کا اثر

انسان کی طبیعت پر گرد و نواح کا اثر بہت ہوتا ہے جس قسم کے لوگوں میں سے ہے انہی کے خیالات۔ عادات و اطوار کو وہ اختیار کر لیتا ہے اور جو اس کے سامنے سے ہے اسکا وہ عادی ہو جاتا ہے۔

جس چیز سے مانوس نہ ہو ابتداءً اسکا مقابلہ کرتا ہے

اور جن اشیاء کا وہ عادی تھا اور جو چیز کبھی اسکے سامنے نہ آئی ہو اسکا وہ شروع میں ضرور مقابلہ کرتا ہے اور وہ چیز خواہ کیسی عمدہ ہو اس سے وہ کتراتا ہے اور ایسی چیز کو کرنا اسے دوبھر معلوم ہوتا ہے۔ محکوم لوگوں میں ایک مدت کے بعد حکومت کی طاقت جاتی رہتی ہے اور وہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ حکومت کس طرح کیجاتی ہے۔ اور ایسے لوگوں کے سپرد اگر حکومت

ہوجاوے تو وہ ڈرتے رہتے ہیں کہ مبادا ہم سے غلطی ہو جاوے۔ بعض جگہ اگر کسی ظالم کے مقابلہ کے لئے مظلوم لوگوں کو ابھارنے کی کوشش کیجاوے تو وہ بالکل نہیں ابھر سکتے۔ سکھوں کے زمانہ میں مسلمانوں کو اذان دینے سے روک دیا گیا تھا۔ اب بعض جگہوں میں دیکھا گیا ہے کہ حاکم بھی مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ اذان دو تو وہ چونکہ ڈرے ہوئے ہیں۔ اسلئے اذان نہیں دیتے۔ ایسے لوگوں کے ایک مدت کے بعد حکومت کے قوای بالکل باطل ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالٰے نے بنی اسرائیل سے وعدہ فرمایا کہ وہ یروشلم کو جاویں تا شام کا ملک انکے ہاتھ پر فتح ہو اور انکو حکومت ملے۔ وہ چار سو سال یا اڑھائی سو سال فرعون کے ماتحت رہ کر طرح طرح کے ظلم سہنے کے عادی بن چکے تھے اور ان میں حکومت کے قوای بالکل نہیں رہے تھے اس لئے اللہ تعالٰے نے ان کو ایک مدت باہر جنگل میں رکھا جہاں کہ وہ آزاد رہیں کسی کے ماتحت نہوں اور انکے لئے ایسے سامان مہیا کر دیئے کہ انہیں بالکل محنت نہ کرنی پڑے تا ان کے دلوں سے محکومیت کا خیال نکل جاوے۔ اور محنت نہ کرنے سے انکے قوای حکومت کے لئے مضبوط ہو جاویں۔

جب حضرت موسٰے علیہ السلام نے دعوٰی کیا تو فرعون نے بنی اسرائیل پر اور زیادہ محنتیں اور مشقتیں ڈال دیں کہ بیکار رہنے سے انکے خیالات ایسے ہو گئے ہیں اور یہ سلطنت لینا چاہتے ہیں۔ اسلئے اللہ تعالٰی نے انکو فرعونیوں سے نجات دلوا کر آزاد کیا۔ اور ان پر بارشیں اتاریں اور بادلوں کے سائے بھیجے۔ غمام۔ میرے خیال میں اس کے معنے بارش کے ہی ہیں۔ کیونکہ اگر ہر وقت بادل ہی بادل رہیں تب تو لوگ تباہ ہو جاویں۔ اس سے مراد بارش ہی ہے کیونکہ آگے اس کے کھانیکا ذکر ہے اور وہاں اللہ تعالٰے نے

نے انکے لئے کثرت سے جانور پیدا کر دیئے ۔ مَنّ ۔ بلا محنت کے جو چیز ملجاوے مختلف قسم کے پھل ۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کھمبیاں بھی مَنّ ہیں کیونکہ یہ جنگل میں بکثرت پیدا ہو جاتی ہیں ۔ قحط کے دنوں میں اکثر ایسی چیزیں بافراط پیدا ہوتی ہیں سلوٰی ۔ بٹیرا اور تیتر یا ان کی قسم کا دوسرا کوئی جانور ۔

جس سال زلزلہ آیا حضرت صاحبؑ ان دنوں شہر سے باہر تشریف لیگئے تھے ان دنوں تلیر کثرت سے پیدا ہو گئے تھے بعد میں اتنے کبھی دیکھنے میں نہیں آئے ۔ اللہ تعالیٰ اب اہل کتاب کو اپنا احسان جتلاتا ہے کہ دیکھو ہم نے تمہیں ایسی ایسی نعمتیں دیں ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی الہام ہوا تھا کہ " آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی بھی غلام ہے " اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ کیلئے آسمان سے دسترخوان آتا تھا ۔ وہ دسترخوان کس طرح اترتے ہیں ۔ جو خدا تعالے کے ہو جاتے ہیں اور اپنا جان و مال سب خدا کا کر دیتے ہیں آسمان انکے لئے برستا اور زمین انکے لئے مختلف قسم کی عمدہ عمدہ چیزیں پیدا کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کے سہولت کے سامان انکے لئے پیدا کر دیتا ہے ۔

حضرت صاحب (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) ایکدفعہ امرتسر سے بٹالہ کو آرہے تھے ۔ راستہ میں دھوپ کی سخت تکلیف تھی ۔ یکہ میں بیٹھنے لگے (ریل نہیں تھی) تو ایک اور آدمی جو ہندو تھا وہ کود کر پہلے اندر جا بیٹھا اور اپنے موٹاپے سے تمام یکہ کو اندر سے روک لیا ۔ حضرت صاحبؑ کو دھوپ میں بیٹھنا پڑا ۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً ایک بادل بھیجدیا ۔ جو امرتسر سے لے کر بٹالہ تک برابر آپکے سر پر سایہ کرتا آیا ۔ تو ہر ایک شخص جو خدا کے لئے اپنی رضا کو چھوڑ دے اور اللہ کی رضا کو مقدم رکھے خدا اس کیلئے سب سامان پیدا کر دیتا ہے ۔

بعض لوگ شکایت کرتے ہیں ۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ہو جاویں تو یہ زمین انکی خادم ۔ آسمان انکا خادم بنجاوے ۔ اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ رحمت کے سامان پیدا کر دے ۔ ان بنی اسرائیل نے مصر کو اللہ تعالیٰ کے لئے چھوڑا ۔ انہیں جنگل میں طرح

طرح کی نعمتیں مل گئیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اگرچہ تمام کی تمام دنیا اور تمام دنیا کے بادشاہ اور ہر ایک فرد انکا مخالف ہو جائے اور انکے مقابلہ کیلئے نکلے تو بھی وہ اسے ضرر نہ دے سکیں گے۔ کوئی طاقتور سے طاقتور دشمن بھی کیوں نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ ایک پل میں اسے تباہ کر سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ اپنی حالتوں میں تبدیلی پیدا کرو۔ دعا میں لگے رہو غفلتوں اور سستیوں کو ترک کر دو بس پھر خدا تمہارا ہو گا۔ تم اسکے ہو جاؤ۔

ع جو کوئی سدا ہو رہے سب جگ اُسدا ہو۔ مسیح نے کہا ہے پہاڑ تمہارے اشارہ سے چلنے لگیں اور پانیوں پر تمہاری حکومت ہو۔ اسکا مطلب یہی ہے کہ پہاڑ جیسے بڑے بڑے لوگ تمہارے کہے پر چلیں اور پانی جیسی خطرناک چیز جس میں انسان غرق ہو جاوے وہ تمہارے قابو میں آ جائے مگر شرط یہی ہے کہ خلوص ہو۔

قوم موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ کو مانا اور اسکے ساتھ جنگل کو چلے گئے ان کے اس خلوص کی وجہ سے انکو جنگل میں بھی نعمتیں ملیں۔ تو اس شہر میں جہاں کہ اس کے فضل کے بڑے بڑے وعدے ہیں یہاں ذرا سی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ - ہم نے انکو انعام دیئے اور انپر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ برے اعمال کر کے اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ سو اگر تمہیں کوئی دکھ پہنچے

ہر دکھ اپنے کیے کا پھل ہے

تو وہ تمہارے ہی کیے کا پھل ہے۔ خدا ظالم نہیں۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ تم اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔

اللہ سے مانگنے والا ناکام نہیں ہوتا

کوئی سائل اگر کسی امیر سے کچھ مانگے تو وہ امیر اسے دیدیتا ہے خواہ وہ کسی وجہ سے دے مگر اللہ تعالیٰ تو بلند شان والا ہے تم اس کے دروازے پر گر جاؤ وہ تمہیں دیگا تم اس کے سامنے عاجزی کرو گے تو رد نہ کیے جاؤ گے۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے میں نے تجربہ کیا ہے کہ اگر کسی کے دل میں تڑپ ہو اور سچی تڑپ کسی کام کیلئے ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور وہ کام کر دیتا ہے بلکہ بعض بعض باتیں سورج ابھی غروب نہیں ہوتا کہ اس سے پہلے پہلے ہی ہو جاتی ہیں۔ یہ جو مشہور ہے کہ فلاں بزرگ کیلئے سورج کو روک دیا گیا

اس کا یہی مطلب ہے کہ جو کام وہ کرنا چاہتے تھے وہ خواہ کتنے دنوں میں ہونیوالا ہو۔ یا جو کام دس سال میں جا کر ہونا تھا۔ جس کام کو دوسرے لوگ ہزاروں ہزار سال میں کر سکتے تھے وہ انکے لئے سورج کے غروب ہونے سے پہلے کر دیا گیا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کام ایک ایک گھنٹہ میں کیا دنیا کے لوگ سو لاکھوں لاکھ سال میں نہیں کر سکتے۔ ٹمپیرنس سوسائٹیاں سالہا سال سے اس کوشش میں ہیں کہ شراب رک جاوے مگر وہ تو بڑھ رہا ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم دیا اور تمام عرب میں اسی دن شراب گرا دیا گیا اور پھر کبھی وہاں شراب کا استعمال نہ ہوا۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کرو اور تقویٰ اختیار کرو اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔ سستی غفلت چھوڑ دو۔

اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا فضل کرے۔ اسکا ہمارے ساتھ تعلق ہو اور محبت ہو جس رستے پر حضرت مسیح موعودؑ ہمیں چلانا چاہتے تھے اس پر ہم چلیں۔ ہمارا کھانا پینا پہننا سب اسی کے لئے ہو اور اسکی رضامندی کے ماتحت ہو۔ اور ہمارا کوئی کام اسکے حکم کے خلاف نہ ہو۔

خطبہ جمعہ

اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھنا اسکی نعمتوں کے قیام کا ذریعہ ہے اور اسکو خوش کرنا تمام مشکلات کا حل ہے

فرمودہ ۱۹ جون ۱۹۱۴ء

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ۔

دنیا کے آرام اور دنیا کی نعمتیں چونکہ جلد انسان تک پہنچ جاتی ہیں اس لئے اکثر

لوگ اس دنیا کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں اور اسکی وجہ اکثر نا واقفی ہی ہوتی ہے
کسی بچے کے ہاتھ میں اگر ایک ہیرا ہو تو تم اس سے ایک خربوزہ دیکر وہ
ہیرا اس سے لے سکتے ہو۔ وہ چونکہ اس کے فوائد یا اس کی ماہیت کو نہیں جانتا۔
اس لئے وہ ایک تھوڑی سی خوشنما چیز کے بدلے اسے دیدیگا۔ وہ تو اسے معمولی
پتھروں کی طرح ایک پتھر ہی سمجھیگا۔ ایک دفعہ کسی سوداگر کی ہیروں کی تھیلی گم ہوگئی
وہ کسی بچہ کے ہاتھ میں آگئی اسنے دو پیسے کے تین تین اپنے ہم جماعتوں کو دیدیئے
اس کے نزدیک پیسوں کی قدر ان پتھروں سے زیادہ تھی۔ جب اس سے پولیس
نے پتہ لگنے پر دریافت کیا تو وہ کہنے لگا بازار میں سے یہ تھیلی مجھے ملی ہے۔
اور ہم اب ان سے کھیلیں گے کیونکہ یہ کھیلنے کی گولیاں ہیں۔ یہ سب اسکی
ناواقفیت تھی۔ اکثر لوگ ناواقفیت کیوجہ سے اعلیٰ چیز کے بدلے ادنیٰ کو
اختیار کر لیتے ہیں۔ جتنی جتنی کسی چیز کی واقفیت ہو۔ اتنی ہی اس کی قدر ہوتی
ہے جتنی ناواقفیت ہو اتنا ہی انسان اعلیٰ کو ادنیٰ سے بدلا لیتا ہے۔

اسلام نے ایسے اصول مقرر فرمادئیے ہیں کہ جن پر انسان عمل کرتا رہے
تو وہ ادنیٰ و اعلیٰ میں امتیاز کر سکے مثلاً سب کاموں کے ابتداء میں بسم اللہ
کہہ لینا ضروری رکھا تا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا ہر وقت خیال رہے۔ اسی
طرح کسی نعمت کے ملنے پر الحمد للہ کہنا سکھایا تا کہ اسے خدا تعالیٰ کی طرف ہی توجہ
رہے۔ اور وہ اسے خوش کرنے کی کوشش کرے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ہستی
اسکے سامنے آجائیگی اور تمام کاموں میں اس کی نظر اسی کی طرف ہوگی۔ اور اس
سے غرض یہ ہے کہ تا وہ سمجھ لے کہ ان نعمتوں کی اللہ تعالیٰ کے مقابل پر جو
دینے والا ہے کچھ قدر نہیں

مگر باوجود اس کے بعض لوگ دنیوی نعمتوں کی طرف جھک جاتے ہیں اور
یاد الٰہی کو بھول جاتے ہیں۔ اس کی وجہ نافہمی ہی ہوتی ہے۔
اس جگہ بنی اسرائیل کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے انکو حکم ہوا تھا کہ اس

شہر میں داخل ہو جاؤ۔ مگر میرے فرمانبردار رہنا اور دعائیں کرتے جانا۔ کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے اور نافرمانی نہو۔
مگر جب انکو طرح طرح کی نعمتیں ملیں تو وہ یادِ خدا کو بھول گئے اور لغویات میں مشغول ہو گئے اور اللہ تعالےٰ کے حکم کی نافرمانی کی۔ اور بجائے الٰہی باتوں کے دنیاوی کاموں میں مشغول ہو گئے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہلاک ہو گئے اور تباہ کر دیئے گئے۔
مسلمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے سلطنتیں دیں۔ اور پہلے فرما دیا کہ دیکھو تمہیں سلطنتیں ملیں گی۔ لیکن تم خدا کو نہ بھولنا۔ جبتک کہ مسلمانوں نے خدا کو یاد رکھا اور ہر کام میں اس کو مقدم رکھا تب تک وہ بڑے آرام میں رہے اور انہیں کوئی دکھ اور تکلیف نہ ہوئی۔ لیکن جب انہوں نے ایسے ایسے بیہودہ کام کیئے کہ یہود میں بھی شاید ہی ایسا ہوا ہو۔ اور بیحیائی میں حد سے بڑھ گئے۔ اتنا کہ بعض نے ایسا کیا کہ سیڑھیوں پر چڑھ رہے ہیں اور . . . . ادھر دربار لگا ہوا ہے اور اپنے پیچھے . . . . پہرہ کے لیئے . . . . . . ہیں۔ جب مسلمانوں نے ایسی ایسی خباثتیں کیں تو انکی بھی وہی حالت کی گئی جو یہود کی ہوئی۔ اور انکو ہلاک کر دیا گیا اور ان پر طرح طرح کے عذاب آئے۔ جیسے انکو انعام زیادہ ملے تھے ویسے ہی انپر عذاب بھی زیادہ آئے۔
اللہ تعالےٰ کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ اس لئے انسان کو چاہیئے کہ کسی دنیوی نعمت کے بدلے خدا تعالیٰ کو نہ چھوڑے۔ کیسا ہی احمق ہے وہ شخص جو ایک عمدہ چشمہ کو چھوڑ کر ایک پانی کا گلاس پسند کرتا ہے۔ جو نعمتیں انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہیں انکو اگر خیال کرے تو اسے چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرے کیونکہ اصل نفع پہنچانے والا وہی ہے اور اسی سے تمام نعمتیں مل سکتی ہیں۔ اس کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہونگی۔ انسان کے خزانے ختم ہونیوالے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے خزانے ختم نہیں ہو سکتے۔ پانی کو ہی دیکھ لو۔ کہ

کروڑہا کروڑ سالوں سے تمام مخلوق اسے پی رہی ہے لیکن وہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔ ہوا کو سانس لے لیکر گندہ کیا جاتا ہے لیکن اللہ تعالےٰ ہر روز نئی اور مصفّٰی ہوا بھیجدیتا ہے۔ ایسے ہی غلّے۔ پھر جمادات سونا چاندی۔ تانبا سیسکہ وغیرہ تمام دھاتیں۔ انکی کانیں ختم ہونے میں ہی نہیں آتیں۔ ایک کان ختم ہوتی ہے جھٹ ایک اور ملجاتی ہے۔ تو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی کوئی انتہا نہیں۔ جیسے وہ ذات خود غیر محدود ہے ایسے ہی اسکی نعمتیں غیر محدود ہیں۔ بعض لوگ ان دنیوی نعمتوں میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کو ناراض کر بیٹھتے ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں آزمائش کے لئے آتی ہیں۔

ہم سے پہلے ہزاروں طاقتور قومیں گذر چکی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی نعمتیں دیں۔ مگر نافرمانی کیوجہ سے وہ نعمتیں ان سے چھینی گئیں اور انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ مسلمانوں پر بھی آجکل آزمائش کے دن ہیں۔ خدا تعالیٰ دیکھتا ہے کہ ہم اسکی فرمانبرداری کرتے ہیں یا کہ اس کو بھلا کر دنیاوی نعمتوں میں پھنس جاتے ہیں۔

اس لیئے ہمیں دعاؤں میں لگ جانا چاہیئے اور فکر کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی جس طرح نعمتیں غیر محدود ہیں ایسے ہی اس کے عذاب بھی سخت ہیں اور غیر محدود ہیں۔ خدا تعالےٰ تھکتا نہیں۔ جیسے اسکی نعمتیں نئی سے نئی ہیں ویسے ہی وہ عذاب نئے سے نئے دے سکتا ہے۔ یورپ والے بیماریوں کے علاج کرتے ہیں۔ لیکن ابھی ایک بیماری کا علاج وہ مکمل نہیں کرنے پاتے کہ ایک اور نئی قسم کی بیماری نکل آتی ہے۔ بہت فکر اور احتیاط کا مقام ہے۔ خدا تعالیٰ سے تعلق ایسا ہی ہے جیسے تیز تلوار کی دھار پر چلنا۔ اس لئے احتیاط چاہیئے کہ خدا تعالےٰ کی ناراضامندی نہو۔

دنیا کی نعمتیں اگر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں خرچ کر دیجاویں تو وہ اور نعمتیں دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرو۔ اسکی فرمانبرداری کرو۔ اللہ تعالیٰ کے خوش کرنیسے تمام

خطبہ جمعہ

افراط اور تفریط سے بچنے کیلئے مومن کو چاہیئے کہ محفوظ طریق اختیار کرے

فرمودہ ۲۶ / جون ۱۹۱۴ء

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۔

افراط و تفریط مہلک مرض ہیں

افراط و تفریط ان دونوں نے کل دنیا کے مذاہب کو تباہ کردیا ہے۔ انسان ایک حد تک بہت کم رہتا ہے۔ کئی جوش میں آکر حد سے آگے نکل جاتے ہیں اور کئی ضعف سے بالکل ہی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اصل منزل مقصود تک بہت کم لوگ پہنچتے ہیں۔

کئی لوگوں نے حد سے بڑھ کر ایسا کہدیا کہ خدا ایک نہیں ہے۔ بلکہ ایک سے زیادہ خدا ہیں۔ پھر بعض نے تو اتنے پر ہی بس نہیں کی بلکہ ایک ایک شہر۔ پھر ایک ایک قبیلہ۔ پھر ہر ایک گھر کا ایک ایک خدا بنا دیا۔ پھر دوسرے آئے انہوں نے کہدیا کہ خدا کوئی ہے ہی نہیں۔ ہم خود بخود پیدا ہوگئے ہیں اور جو کچھ دنیا میں ہے آپ ہی سے آپ بن گیا ہے۔ ایک گروہ افراط میں تباہ ہوگیا اور ایک گروہ تفریط میں۔ پھر بعض گروہ ایسے ہیں جنہوں نے بعض انبیاء کو خدا بنا دیا۔ اور ایک گروہ نے تو کہدیا کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے۔ خدا نے اسکو ہماری خاطر صلیب پر دیا اور ہمارے گناہ معاف ہوئے۔ دوسرا گروہ

اٹھا انہوں نے کہا کہ وہ (حضرت عیسیٰ ابن مریم) نعوذ باللہ لعنتی تھا اور
فریبی تھا اور اس پر اپنے ناپاک اور گندے خیالات سے طرح طرح کے الزامات
لگائے۔ تمام مذاہب میں ان دو ہی وجہوں سے اختلافات ہوئے۔ اور انہیں باطل پھیلائے

اہل بیت کو برا کہنے والے بھی انہی میں سے ہیں

اسلام میں بھی دوسرے مذاہب کی طرح دو گروہ پیدا ہو گئے اور ایک گروہ انمیں سے
ایسا ہوا جس نے اہلبیت نبی ؐ پر بڑے
بڑے ناپاک حملے کئے اور انکو گندہ کہا۔ اور انہوں نے اس بات کا فیصلہ کر دیا۔
کہ اہل بیت نبی ؐ نعوذ باللہ ناپاک تھے اور ایک گروہ ایسا پیدا ہوا جس نے
انکی تعریف میں ایسا مبالغہ کیا کہ حد سے بڑھ گئے۔ اور کہا کہ ان سے کبھی
کوئی غلطی ہو سکتی ہی نہیں۔ کچھ ایسے ہوئے کہ صحابہ سے کوئی غلطی ہوئی ہو
تو انکو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ کچھ ایسے ہوئے جنہوں نے کہہ دیا جو کرتا
ہے خدا ہی کرتا ہے ہمارا کچھ اختیار نہیں۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے سب کچھ خدا ہی
کرتا ہے اور خدا ہی کرواتا ہے ہمارا اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔ دوسروں
نے ایسا کہہ دیا کہ خدا کا کسی بات پر تسلط ہی نہیں۔ جو کرتے ہیں ہم خود کرتے
ہیں۔ ایک تو اتنا حد سے بڑھ گئے کہ خدا ہی کرتا کرواتا ہے۔ خدا ہی چوری۔
جھوٹ اور برائیاں کرواتا ہے۔ دوسروں نے کہا سب کچھ ہم خود ہی کرتے ہیں
خدا کا اسمیں دخل ہی کوئی نہیں۔ تو افراط و تفریط سے ہی تمام مذاہب
پر تباہیاں آئیں۔ حالانکہ ان سب کے لیے ایک نقطۂ وسط تھا۔ جس پر وہ جمع

پل صراط پر گزرنے کا ذکر افراط و تفریط سے بچانے کے لئے

ہو سکتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے مرنے کے بعد کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے
جو افراط و تفریط سے بچانے کے لئے آپ نے
فرمایا کہ ایک پل صراط ہے جس پر سے گزر کر جنت کو جانا ہوگا جو اس پر سیدھا
چلے گا اور ذرا بھی ادھر ادھر نہ ہوگا وہ تو جنت میں پہنچ جائیگا اور اگر ذرا ادھر ادھر ہوگا

تو دوزخ میں گریگا۔

معجزات زندہ مذہب کا نشان ہیں

معجزات ایک زندہ نشان ہوتے ہیں مذہب کے لیے اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بہت بڑی فوقیت دوسرے مذاہب پردی ہوئی ہے۔ اور یہ ایک نشان ہے خدا کی طرف سے اس سے اسلام کو ہر وقت تائید و نصرت ہوتی ہے مگر بعض مسلمانوں نے اسکو یہانتک بڑھا دیا کہ اپنے پیروں کو خدا کا شریک ٹھہرا دیا اور کہدیا کہ ان سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ اور جو کچھ ہے انہی کے اختیار میں ہے اور وہ جو کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ دوسرے آئے انہوں نے کہدیا کہ نبی کریم صلعم کے بعد اللہ تعالےٰ کسی سے کلام نہیں کرتا۔ گویا خدا تم کو نعوذ باللہ گونگا قرار دیا۔ بعض نے کہدیا کہ پہلے بھی کبھی اللہ تعالیٰ کسی سے ہمکلام نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اب کسی سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اور الہام وغیرہ کوئی چیز نہیں۔ یہ صرف نیچر کے اسباب کو دیکھ کر جو دل میں کوئی عمدہ بات پیدا ہو جائے اسکا نام الہام رکھ دیا گیا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم کا ترجمہ کرتے ہوئے لوگوں نے ایسی ایسی تاویلوں سے کام لیا کہ اصل مطلب کو ضائع کر دیا۔ کئی توحد سے بہت آگے نکل گئے اور کئی نے اسکو محال خیال کرکے اور کی اور ہی تاویلیں کردیں اور وہاں تک پہنچے ہی نہیں اور معجزات کو بری طرح پیش کیا۔ مثلاً نَاقَةُ اللهِ۔ اس کے متعلق طرح طرح کے خیالات ظاہر کئے اور عجیب عجیب تشریحیں شروع کر دیں مثلاً ناقۃ اللہ۔ اللہ کی اونٹنی۔ یہ کوئی معمولی سی اونٹنی تو نہ ہوگی۔ اب لگے اس کی تاویلیں کرنے۔ بعض نے کہدیا کہ کفار نے معجزہ مانگا تھا۔ کہ پہاڑ سے اونٹنی نکالو جس کا بچہ بھی ہو۔ پس حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی۔ تو فوراً پہاڑ اونچا ہونا شروع ہو گیا اور اسمیں سے ایک اونٹنی نکل آئی۔ پھر اونٹنی کو فوراً ہی حمل ہو گیا اور اسی وقت ایک بچہ اس کے پیدا ہو گیا۔ دوسرے آئے انہوں نے

اسلام کی تائید میں جو حقیقی معجزات تھے انکی بھی تاویلیں شروع کردیں اور تمام حق باتونکو مٹانا چاہا۔ نہ تو حد سے بڑھنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی کسی اور طرف جانیکی ضرورت تھی۔ اگر جیسا قرآن کریم میں لکھا ہے ویسا کرتے تو یہ ٹھوکریں نہ لگتیں۔

یہاں قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے انمیں الفاظ کی کمی یا زیادتی کرنا جائز نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے مصر سے نکلے۔ رستے میں ایک جگہ پانی کی ضرورت پڑی پانی کہیں سے نہ ملا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام انکو بتلا دیا کہ اس پتھر پر اپنا عصا مارو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

یہ نظارے عموماً دیکھے جاتے ہیں۔ پہاڑوںمیں کئی جگہوں میں پانی جمع ہوتا ہے اور موقعہ ملے تو وہ بہ نکلتا ہے۔ ایسی جگہ ہر ایک آدمی معلوم نہیں کرسکتا۔ آجکل کچھ ایسے علوم نکل آئے ہیں جن کے ذریعہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انکو (حضرت موسیٰ علیہ السلام کو) بذریعہ الہام بتا دیا۔ کہ فلاں جگہ پانی نزدیک ہے وہاں سوٹا مارو پانی نکل آئیگا۔ انہوں نے حکم الٰہی کے مطابق کیا وہاں سے بارہ چشمے بہ نکلے۔ ایسا دیکھا گیا ہے کہ بعض جگہوں میں ستره ستره چشمے ایک پتھر سے نکلتے ہیں۔ اسمیں ایک سہولیت ہوتی ہے وہ یہ کہ بہت سے لوگ جمع ہوں تو ایک ہی جگہ پر انکو پانی لینے میں تکلیف ہوتی ہے مگر بہت سا پانی ہو تو وہاں سے پانی لینے میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ اس سے انکے اختلافات بھی مٹ گئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی جیب میں کوئی پتھر تھا اسمیں سے وہ چشمے نکلے تھے۔ یہ غلط ہے۔ یہ قرآن کریم میں ذکر ہے۔ اگر احادیث میں ہوتا تو جرح بھی ہوسکتی تھی لیکن اب اس پر جرح نہیں ہوسکتی یہ اللہ تعالیٰ کا ایک احسان تھا کہ پانی کی جگہ انکو الہام کے ذریعہ انکو بتلائی۔ وہ ہمیشہ سے احسان کرتا آیا ہے اور کرتا رہیگا۔ اس پر ہمیں اعتراض کرنیکی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ قرآن کریم کے الفاظ کو چھوڑ کر خواہ مخواہ افراط و تفریط میں مبتلا ہوں۔ اکثر لوگونکو معجزات کے متعلق بڑی بڑی غلطیاں لگی ہیں۔ میں نے ایک

آدمی کو یہ کہتے سنا کہ (وہ سیاہی جو کشف کی تھی حضرت صاحب کے کپڑوں پہ گری تھی) وہ کسی چھپکلی کی دُم کٹ گئی ہوگی اور وہ لہو آپ کے کپڑوں پہ گرا ہوگا۔ میں نے تب خیال کیا کہ ابھی اس زمانہ میں ہی لوگوں کو شک اور احتمال شروع ہوگئے ہیں تب مدت کے بعد انکا کیا حال ہوگا۔ تب تو یقین تک نوبت پہنچ جائیگی۔ مومن کیلئے افراط و تفریط سے بچنے کا آسان اور عمدہ طریق یہی ہے کہ اصل الفاظ کو لیلے

افراط و تفریط سے بچنے کا طریق

نہ افراط کیطرف جاوے نہ تفریط کیطرف بعض لوگ مباحثہ کرتے وقت کہدیتے ہیں کہ کیا خدا قادر نہیں کہ عیسیٰ کو زندہ رکھ سکے اور آسمان پر لیجاوے۔ خدا قادر تو ہے اور وہ اس بات پہ بھی قادر ہے کہ ایک چیز کے دانے سے ایک چشمہ نکالدے مگر "کر سکنا" اور "کرنا" ان میں فرق ہے قادر ہونیسے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ عیسیٰ زندہ آسمان پر ہے یا ایک چنے کے دانے سے چشمہ نکلتا ہے۔ میں اسوقت اس مسجد میں کھڑا ہوں تو ممکن تو ہے کہ باغ میں ہوں ہاں ہوسکتا ہے کہ ایک شخص یہاں ہو مگر وہ کسی اور شہر میں ہو ممکن تو ہے کہ ایک شخص یہاں ہو لیکن وہ ریل میں سفر کر رہا ہو لیکن ایسا فی الواقعہ ہے تو نہیں۔ معجزات اور آیات کی تشریح اور معانی میں اصل الفاظ کو ملحوظ رکھو۔ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں ایسا کرنا گستاخی ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ ہمیشہ محفوظ طریق اختیار کرے جتنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بس اسی پر اکتفا کرو۔

خطبہ جمعہ

حقیقی کامیابی کے رستہ میں بہت لالچ ہوتے ہیں اسلئے مومن کو انسے بچکر رہنا چاہئے

(فرمودہ ۲۳ - جولائی ۱۹۱۰ء)

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ - الخ جب کوئی قوم ایک مدت تک ماتحت اور غلام رہتی ہے تو اسکے اخلاق بگڑ جاتے ہیں اور پھر ضرورت ہوتی ہے۔ اس بات کی کہ انکو آزاد رکھا جائے تب اس قوم کی حالت درست ہوتی ہے۔

بنی اسرائیل مدت تک فرعون کی جابر حکومت کے ماتحت رہے۔ اور ان کے قومی حکومت اس سے بہت بگڑ گئے۔ اور انکی اخلاقی حالت بالکل گر گئی۔ اور ان میں حکومت کا مادہ بالکل نہ رہا۔ اُن میں لڑائی کرنے کی قابلیت اور جرأت بالکل نہ رہی تھی جیسے قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُنہوں نے حضرت موسیٰ کو کہہ دیا۔ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ط
اِن وجوہات سے اللہ تعالےٰ نے انکو جنگل میں رکھا۔ تاکہ ان کے اخلاق سدھر جائیں۔ یہ اللہ تعالےٰ نے اُن کی آزادی کے لیے سامان پیدا کر دیا۔ تاکہ وُہ اپنے پرانے خیالات بھول کر حکومت کے لیئے تیار ہو جائیں۔ لیکن انہوں نے ایسی راہ اختیار کی جس کی وجہ سے ان سے وُہ نعمتیں چھن گئیں۔ اور ان پر عذاب آیا اس آیت میں بیان کیا ہے کہ جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ نے دیا۔ اُن کو اس پر صبر نہ آیا اور انہوں نے موسیٰ کو کہہ دیا۔ کہ لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ موسیٰ ہمیں کسی ایسی جگہ لے چلو۔ جہاں سے ہمیں گیہوں ساگ اور ککڑیاں اور مسور اور پیاز لہسن وغیرہ مل سکیں۔ تاکہ ہم اُنہیں کھائیں +

ان کی اس سوال سے یہ مراد تھی۔ کہ ہمیں کسی شہر میں لے چلو جہاں ہمیں یہ چیزیں میسر ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا منشاء ان کو حکومت دینے کا تھا۔ مگر وُہ چونکہ گندے بھرے ہوئے تھے۔ اور تباہ ہونے والے تھے۔ اسلئے انہوں نے کہا موسےٰ ہمیں کسی شہر میں لے چلو۔ جہاں یہ چیزیں کھانے کو مل سکیں۔ یہاں جنگل میں کیا رکھا ہے۔ جنگل کی چیزوں پر ہم صبر نہیں کر سکتے ہیں۔ یہاں تو یہی ہے کہ جنگلی جانوروں کو پکڑا۔ اور کھا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا تم اسے جو بہت ہے۔ اس سے بدلنا چاہتے ہو۔ جو ادنےٰ ہے +

یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ وُہ چیزیں دراصل ادنےٰ تو نہیں تھیں۔ ان اشیاء کو تو نبی کریم صلعم بھی کھایا کرتے تھے۔ بلکہ اگر کبھی گوشت پکا ہوا ہوتا۔ اور اس میں کدو ہوتا۔ تو آپ کدو کو ٹٹول ٹٹول کر نکال لیتے اور اُسے کھا لیتے تھے۔ تو ترکاری کا کھانا

کوئی بُرا نہیں ہے۔ اگر بُرا ہوتا۔ تو آپ خود بھی نہ کھاتے۔ اور صحابہ کو بھی منع فرما دیتے۔ حضرت مسیح موعودؑ بھی گوشت کم کھایا کرتے تھے۔ اور سبزی کو پسند کرتے تھے۔ گوشت سے ایک گونہ آپ کو نفرت ہی تھی۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکومت دینی تھی چونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی پر یقین نہ آیا۔ اسلئے انہوں نے چاہا۔ کہ حکومت تو معلوم نہیں ملے یا نہ ملے۔ اور خدا جانے کب ملیگی۔ کچھ دن روٹی تو آرام سے کھاویں اس لئے کہا۔ کہ ہمیں سبزیاں ترکاریاں چاہئیں۔ اور وہ تو کھیتی کرنے تو اس سے ملتیں انہوں نے چونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک پیشگوئی کا انکار کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا۔ اور حکم دیا کہ کسی شہر میں چلے جاؤ۔ وہاں تم کھیتی کرنا۔ وہاں سے تمہیں جو تم نے مانگا ہے۔ مل جاوے گا۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا۔ اور چونکہ انہوں نے خدا کی پیشگوئی کا انکار کیا۔ اور اس پر ایمان نہ لائے۔ بلکہ جلد بازی سے کام لیا۔ اس لئے ذلیل ہو گئے۔ اور بجائے اس کے کہ ان کو حکومت ملتی۔ اب ایک معمولی کسان بننا انہوں نے پسند کیا۔ انکو اللہ کے حکم پر ایمان نہ ہوا۔ اور یقین نہ آیا۔ کہ ہمیں سلطنت مل سکیگی۔ اور اپنا بادشاہ بننا ممکن خیال نہ کیا۔ اسلئے پھر ذلیل ہو گئے۔ جو لڑکے کہ پڑھتے ہیں انہیں اگر یقین ہو۔ کہ ایک دن آتا ہے۔ جب ہم کچھ بن جاوینگے۔ تب تو وہ ضرور محنت کرتے ہیں۔ اور پڑھائی ان کو کوئی مشکل نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن جن طلباء کو اُمید نہیں ہوتی۔ اور یقین نہیں ہوتا۔ کہ ہم علم سے بڑے مرتبہ تک پہنچ سکتے ہیں وہ پھر محنت نہیں کرتے۔ اور اپنا وقت کھیل کود میں ضائع کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ انہوں نے خدا کی پیشگوئی پر یقین نہ کیا۔ اور یہ سمجھا۔ کہ موسیٰ غلط کہتا ہے۔ ہمیں کوئی بادشاہت نہ ملیگی۔ اور یہ بات انکے دلوں میں اسلئے آئی۔ کہ وہ رسول کا مقابلہ کرتے تھے۔

کسی بزرگ یا مامور من اللہ کا مقابلہ کرنا بہت خطرناک ہے مقابلہ کرنیوالے کا

ایمان آہستہ آہستہ سلب ہو جاتا ہے۔ حضرت صاحب نے اس پر مفصل بحث تریاق القلوب میں کی ہے۔ آپ نے لکھا ہے۔ جو شخص کسی مامور من اللہ کا مقابلہ کرتا ہے۔ اُس کے دل پر ایک سیاہی آجاتی ہے۔ اور جوں جوں وُہ مقابلہ کرتا چلا جاتا ہے۔ توں توں اس کے دل کی سیاہی بڑھتی جاتی ہے۔ اور اُس کا ایمان آہستہ آہستہ سلب ہوتا جاتا ہے۔ اور اگر وُہ مقابلہ پر اڑا رہے۔ تو آخر کار اس کا ایمان بالکل سلب ہو جاتا ہے۔ اور اُس کا دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے یہ معاملہ صرف کسی ایک بزرگ یا مامور سے خصوصیت نہیں رکھتا۔ بلکہ کل انبیاء کا یہی حال ہے۔ جو اُن کا مقابلہ کریگا۔ اس کا ایمان سلب ہو جائیگا۔

بعض لوگوں نے سلب ایمان اور کفر میں فرق بتایا ہے۔ یہ غلط بات ہے حضرت صاحب نے تریاق القلوب میں بتا دیا ہے۔ کہ آدمی کس طرح کافر بنتا ہے وُہ پہلے اللہ تعالیٰ کے کسی نبی کا مقابلہ کرتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اس سے نور ایمان چھین لیا جاتا ہے۔ اور جوں جوں وُہ مقابلہ میں دلیری سے کام لیتا ہے۔ اور بڑھتا ہے۔ تو آہستہ آہستہ اُس سے نیکی کی توفیق بالکل اٹھالی جاتی ہے۔ عبدالحکیم کو دیکھ لو۔ جب وُہ احمدی جماعت میں تھا۔ تو اس کی اور حالت تھی۔ لیکن جب اس نے ارتداد اختیار کیا۔ اور آپ کا (حضرت مسیح موعودؑ کا) مقابلہ کیا۔ تو پھر اس سے اعمال صالح کی توفیق اُٹھالی گئی۔

یہ سب کچھ کیوں ہُوا۔ ذَالِكَ بِمَا عَصَوا۔ یہ اس کا بدلہ ہے۔ جو مامور کی نافرمانی کی۔ اور اس کا مقابلہ کیا۔ اس سے تدریجاً آہستہ آہستہ اس کا ایمان سلب ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ بالکل ہی اس سے ایمان اُٹھ گیا۔

بہت سے لوگ اس لیئے نہیں مانتے۔ کہ اگر مانیں گے۔ تو بہت سی باتیں ترک کرنی پڑینگی۔ اسلیئے پھر وُہ نبی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اور جب اس کا مقابلہ کیا۔ تو جو کچھ وُہ کرتا ہے۔ اس کے بھی ضرور خلاف کرنا ہُوا۔ اس لیئے وُہ پھر ایمان سے محروم ہو جاتے ہیں۔

پہلے انسان حد سے بڑھتا ہے۔ پھر نبی کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور پھر آخر کار آیات اللہ سے بالکل انکار کرتا ہے۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ خیر و شر میں تمیز نہیں کر سکتا۔ جیسا بچہ ایک عمدہ سے عمدہ چیز کی بجائے روٹی ہی پسند کرتا ہے۔ اِن آیات میں اللہ تعالےٰ نے مومنوں کو فرمایا ہے کہ ہم تمہیں انعام دینگے۔ اور تمہیں بڑی بڑی نعمتوں کا وارث کرینگے۔ مگر یاد رکھو۔ کہ ساتھ اس کے کچھ دنیاوی لالچ بھی ہونگے۔ مگر ہوشیار رہنا۔ ان لالچوں میں نہ پڑ جانا۔ صلح حدیبیہ میں مسلمانوں میں بعض کمزور ایمان والوں کو ٹھوکر لگی۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب یہ ایک موقعہ تھا۔ جو ہاتھ سے نکل جائیگا۔ اس میں اگر جنگ کرتے۔ تو فتح کر لیتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں کو وہ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ دیکھو آخر کار وہی صلح فتح کا موجب ہوئی۔

ہماری جماعت میں بھی بعض لوگوں کو ٹھوکر لگی ہے۔ اور ٹھوکر سیاست کے متعلق لگی ہے۔ حضرت صاحب کی تعلیم یہ ہے۔ کہ سیاست کو چھوڑ کر تم دین میں لگ جاؤ۔ اسی سے تم کو سیاست بھی حاصل ہو جائیگی۔ مگر لوگوں نے اسے سمجھا نہیں۔ دین میں لگنے سے وہ باتیں جو سیاست سے بھی نہیں حاصل ہو سکتی تھیں۔ وہ مل سکتی ہیں۔ مسلمانوں نے اگر زیادہ سے زیادہ سیاست میں کچھ حصہ لیا تو انہیں یہی کچھ ملا۔ کہ معمولی عہدوں پر رکھے لئے گئے۔ کوئی بڑا عہدہ ان کو نہیں ملا۔ لیکن اس کے مقابل پر اگر انبیاء کی تعلیم پر چلا جاوے تو تھوڑے دنوں میں کامیابی حاصل ہو جاوے۔

برخلاف اس کے دیکھ لو۔ کہ جو لوگ سیاست میں مشغول ہوتے ہیں۔ وہ دین سے غافل ہو جاتے ہیں۔ سیاست دراصل کوئی بُری چیز نہیں ہے اس وقت وہ ہمارے لئے ترقی کی راہ میں روک ہے۔ اس لئے دین میں ہمہ تن لگ جانا چاہیئے۔ سیاست میں پڑنے والوں کی بعینہٖ وہی حالت ہے۔ کہ اتستبدلون الذی ھو ادنٰی بالذی ھو خیر۔ ادنٰی جو بالکل خیر و برکت تھا۔ اسے چھوڑ کر

دنیاوی معاملات میں پڑ گئے۔ اور دین سے غافل ہو گئے۔ خدا تعالےٰ نے یہ ایک راہ (دین) ترقی کے لئے نکالی تھی۔ مگر بعض نے سیاست میں حصہ لینا چاہا۔ اور سیاست میں ضرورت تھی جتھے کی۔ اس لئے انہوں نے غیر احمدیوں سے ملنا چاہا۔ اسلئے اپنوں سے جدا ہوئے۔ اِدھر جن سے ملے تھے۔ انہوں نے بھی ان کو قبول نہ کیا۔ اور ابھی سے ان کو دھکے دینے شروع کر دئے ہیں۔ اس وقت صرف مذہب ہی ہے جو ترقی دے سکتا ہے۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سیاست سے روک دیا۔ تا دین کی طرف سے لوگ غافل نہ ہو جاویں۔ اور دین کی طرف توجہ کریں۔ اور کامیاب ہو جاویں۔ اور دیوانوں اور بچوں کی طرح نہ ہو جاویں۔ کہ ایک روٹی کے بدلے ہیرے دے دیں +

جو کام کرو انہیں دیکھ لو۔ کہ حقیقی کامیابی کس طرح حاصل ہو سکتی ہے راستے ہیں بہت سے لالچ ہوتے ہیں۔ ان سے بچکر رہنا چاہیئے۔ اور احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی کامیابی عطا فرماوے۔ اور ایسے راستوں سے بچاوے۔ جن میں کامیابی نہیں مل سکتی +

خطبہ جمعہ

فرمودہ ۱۰ر جولائی سنہ ۱۹۱۴ء

اسلام خدا کا پیارا مذہب ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ؕ

کوئی دنیا کا انسان اپنے پیاروں اور عزیزوں کو مصیبت اور تکلیف میں نہیں

دیکھ سکتا اگر دو آدمیوں میں خفیف سے خفیف بھی محبت یا تعلق ہو۔ تو ایک کی تکلیف کا اثر دوسرے پر ضرور پڑے گا۔ باپ اپنے بیٹے کو مصیبت میں دیکھ کر کبھی برداشت نہیں کرتا۔ کہ خود آرام سے بیٹھا رہے۔ اور اسی طرح بیٹا باپ کو تکلیف میں دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ بھائی بھائی کی تکلیف کو۔ دوست دوست کی تکلیف کو۔ بیوی خاوند کی تکلیف کو اور خاوند بیوی کی تکلیف کو دیکھ کر آرام سے نہیں بیٹھ سکتا غرضیکہ جن انسانوں کا آپس میں ذرا بھی تعلق ہوتا ہے۔ ان کو ایک دوسرے کی تکلیف دیکھ کر ضرور درد پیدا ہو جاتا ہے بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں۔ کہ گھر میں آگ لگ گئی ہے اور بچہ اندر ہے۔ تو باپ یا ماں نے آگ میں کود کر یا تو بچے کو بچا لیا ہے۔ یا خود بھی اس کے ساتھ جل کر کباب ہو گئی ہے۔ تو محبت کا لازمی نتیجہ یہ ہے۔ کہ جس کے ساتھ پیار اور محبت ہوتی ہے۔ اس کی ہر ایک تکلیف دور کرنے کے لئے اپنی جان تک قربان کر دی جاتی ہے۔ اور مصیبت کے وقت ہی کسی کے پیار کا پتہ لگتا ہے۔ یہ ایک عام شعر ہے۔ کہ ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست ٭ در پریشاں حالی و درماندگی

بہت لوگ کہنے کو تو کہہ دیتے ہیں۔ کہ مجھے آپ سے بڑی محبت ہے۔ لیکن موقعہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ حقیقی محبت اور پیار کا یہی ایک نشان ہے کہ اگر ایک دوست کو کوئی تکلیف پہنچے۔ تو دوسرا دوست بھی اس تکلیف کو محسوس کرے۔ اور اس کے دور کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔ اور اگر وہ اپنے دوست کو مصیبت میں دیکھ کر اس کی مدد تائید اور نصرت نہ کرے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ اس کو اس سے کوئی تعلق اور محبت نہیں ہے۔ تو جب ہم روزانہ انسانوں کو دیکھتے ہیں۔ کہ ذرا ذرا سے تعلق کی وجہ سے اپنے دوستوں اور عزیزوں کو بچانے کے لئے جان بھی قربان کر دیتے ہیں۔ تو اگر کسی جماعت سے اللہ تعالےٰ کا تعلق ہو۔ اور اس کو اللہ تعالےٰ نے چن لیا ہو۔ تو باوجود اس کے وہ مصیبت کی زندگی دنیا میں بسر کرتی ہو اور خدا تعالےٰ اس کیلئے آرام کے سامان مہیا نہ کرتا ہو۔ اور تکالیف سے بچنے کیلئے ان کی

مدد نہ کرتا ہو۔ حالانکہ انسان تو کسی کی مدد کرتے ہوئے اپنی کوئی چیز کھو کر مدد کرتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ تو اس سے بھی پاک ہے۔ کیونکہ کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کہ خدا تعالےٰ نے کسی کو مصیبت سے بچایا ہو، اور خود مصیبت میں پڑ گیا ہو۔ یا خدا تعالےٰ نے کسی کو مال و دولت دی ہو۔ تو اُس کا خزانہ خالی ہو گیا ہو۔ بائیبل میں یہ لکھا ہے کہ خدا نے سات دن میں زمین کو بنایا۔ اور پھر تھک گیا۔ لیکن اسلام کا یہ مسئلہ نہیں ہے۔ تو جب خداوند تعالیٰ کے خزانہ میں کسی کو مالا مال کر دینے کی وجہ سے کمی نہیں آتی۔ اور کسی کو مصیبت سے بچانے کیوجہ سے اُسے خود کچھ تکلیف برداشت نہیں کرنی۔ تو پھر اگر کسی جماعت یا گروہ سے اللہ کا تعلق ہو۔ اور وہ مشکلات میں پڑی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ اسکی مدد نہ کرے تو ہم کہیں گے۔ کہ اس قوم کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس معیار کے ماتحت جب ہم تمام مذاہب کو پرکھتے ہیں۔ تو اسلام کے سوا اور کوئی مذہب نہیں ٹھہر سکتا۔ یوں تو ہر ایک مذہب اس بات کا دعویدار ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کا ہم سے بڑا تعلق ہے۔ اور ہم سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے۔ اگر ایک ایسا شخص جس کا کسی دنیا کے مذہب سے تعلق نہیں۔ وہ تمام مذاہب سے علیحدہ ہو کر یہ سوال کرے۔ کہ میں کس مذہب کو اختیار کروں۔ اور مجھے اس بات کا ثبوت دو۔ کہ کونسا مذہب سچا ہے تو صرف یہی ایک زندہ ثبوت اُس کے سامنے پیش کیا جائیگا۔ کہ جس مذہب کے ساتھ خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرت تمہیں شامل نظر آتی ہے۔ وہی مذہب سچا ہے اور جس کے ساتھ تائید نہیں۔ وہ جھوٹا ہے۔ اور اس کے سچا ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص یہ دعوےٰ کرے کہ فلاں حاکم سے میرا تعلق ہے۔ تو اس کا ثبوت وہ یہ دیگا۔ کہ اگر اسے کوئی مصیبت یا تکلیف کا وقت آئے۔ تو وہ اس کی مدد کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ حاکم اُس کو دُکھ سے نہیں چھڑاتا۔ یا اُس کے سر پہ آئی ہوئی آفت کو دُور کرنے میں اس کی مدد نہیں کرتا۔ تو اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اگر ایک شخص کو جب کوئی تکلیف پہنچے

تو فوراً اس ملک کا بادشاہ اُس کی مدد کے لئے آمادہ ہو جاتے۔ اور اگر اُسے مالی مشکلات پیش آئیں۔ تو بادشاہ کے خزانے اُس کے لئے کھول دئیے جائینگے۔ اور اگر اُسے کوئی ذلیل کرنا چاہے۔ تو بادشاہ اُس کی عزت قائم کر دے تو کیا ان نشانات کو دیکھکر بھی کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ بادشاہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یا ایک شخص بادشاہی دربار میں ذلیل کیا جاتا ہو۔ لوگ اُسے دکھ دیتے ہوں۔ لیکن بادشاہ کو کوئی پرواہ نہ ہو۔ تو کیا کوئی یہ بات مان سکتا ہے کہ اس شخص کا تعلق بادشاہ سے ہے۔ خواہ وُہ کتنا ہی کہتا رہے۔ اسی معیار کو خدا تعالےٰ نے پیش کر کے فرمایا ہے کہ وُہ لوگ جو مومن کہلاتے ہیں۔ اور وُہ جو یہودی اور نصاریٰ اور جو صابی کہلاتے ہیں۔ جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالےٰ کے احکام کے ماتحت نیک عمل کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اسکی طرف سے بڑے بڑے اجر ملینگے اور ایسے لوگوں کیلئے نہ کوئی خوف ہوگا۔ اور نہ انہیں کوئی حزن ہوگا۔

سچے مذہب کا معیار

تو اللہ تعالےٰ نے سچے مذہب کا یہ معیار فرمایا ہے۔ کہ قرآن ایک زمانہ میں اترا ہے کہ جو اس کو مانتے ہیں۔ وُہ کہتے ہیں۔ کہ ہمارا مذہب سچا ہے۔ اور یہودی کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب سچا ہے۔ تو جب ہر ایک مذہب سچا ہونے کا ہی دعوےٰ کرتا ہے۔ تو جو درحقیقت سچا مذہب ہے۔ اس کی دوسرے مذاہب پر کوئی فضیلت ہونی چاہیئے۔ اور ساتھ ہی اس فضیلت کی دلیل بھی ہونی چاہیئے۔ پس سچے مذہب کی فضیلت کی یہ دلیل ہے کہ اس پر چلنے والے عمل صالح کرنیوالے لوگ ہونگے جو کہ خدا تعالےٰ کے پیارے ہونگے۔ اور اُن کو بڑے بڑے انعام دیئے جائینگے اور اُنکو کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا۔ اگر انہیں پہلی تکالیف کیوجہ سے کوئی حزن اور ملال ہوگا۔ تو ان پر ایسے انعام کئے جائینگے۔ کہ وُہ بھی بھول جائینگے۔

اب اگر کسی مذہب والے کہتے ہیں۔ کہ ہم خدا کے پیارے ہیں۔ اور ہم سے خدا تعالےٰ کا تعلق ہے۔ لیکن وُہ خوف میں ہیں۔ تکالیف اٹھاتے ہیں اور حزن میں مبتلا ہیں۔ تو وُہ کبھی سچے مذہب کے پیرو نہیں ہو سکتے۔ لیکن جن لوگوں کو انعام

ملیں - اور اُن کے خوف و حزن دُور ہو جاویں - وہی سچے مذہب کے معتقد کہلا سکتے ہیں ۔

آنحضرت صلعم کی کامیابی اب دیکھو کہ کس زمانہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کتنے آدمی تھے - اور وہ کس حالت میں تھے - بہت تھوڑے لوگ تھے - جو کہ لوگوں کی نظروں میں حقیر اور ذلیل سمجھے جاتے تھے - مگر اللہ تعالےٰ کے نزدیک وہ بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں - لوگوں کے خیال میں وہ بے کار اور فضول تھے - لیکن اللہ تعالےٰ کے علم میں وہی بلند ہونے والے تھے - ان کے مقابلہ میں یہودیوں عیسائیوں - مجوسیوں اور کفار کی بڑی بڑی سلطنتیں تھیں - باوجودیکہ وہ اتنے تھے مگر باوجود اس قدر ملک اور طاقت رکھنے کے انہیں ذلیل اور خوار ہونا پڑا - پہلے انہیں کوئی غم اور حزن نہ تھا - لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر آکر وہ مختلف قسم کے خوف اور حزن میں مبتلا ہو گئے - بس یہ باتیں ہوتی ہیں - جو کہ کسی مذہب کو سچا ثابت کرتی ہیں - کیونکہ انہی باتوں سے پتہ لگتا ہے - کہ فلاں جماعت کا خدا تعالےٰ سے تعلق ہے - اور فلاں کا نہیں ہے ۔

سچائی کی علامت کسی مذہب کی سچائی کی یہ علامت ہمیشہ کے لئے قائم ہے - کہ اگر اسکے پیروؤں سے خوف و حزن جاتا رہے اور خدا تعالےٰ کے انعام و اکرام کے دروازے ان پر کھل جائیں - تو وہ سچا ہے لیکن اگر وہ خوف و حزن میں مبتلا ہوں - تو سمجھنا چاہیئے - کہ وہ جھوٹے ہیں حضرت مسیح موعودؑ نے مختلف کتابوں میں تحریر فرمایا ہے - کہ آج کل مسلمان قسم قسم کے خوفوں اور حزنوں میں مبتلا ہیں - تو اگر یہ سچے مسلمان ہوتے - تو خدا تعالےٰ کیوں انہیں ذلیل کرتا اور یہ کیوں تباہ ہوتے جاتے - اس سے معلوم ہوتا ہے - کہ ان کا خدا تعالےٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے - اسلئے وہ انہیں ان تکالیف سے نجات بھی نہیں دلاتا ۔

نصیحت پس تم اپنے اعمال پر غور کرو - اور جس وقت دیکھو - کہ اللہ تعالےٰ کے

ان تعلقات میں کوئی کمی واقعہ ہوگئی ہے۔ اور تمہیں خوف و حزن میں مبتلا ہونا پڑا ہے۔ تو فوراً اپنے اندر تبدیلی پیدا کرلو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم پس اگر تم کسی خوف یا حزن میں مبتلا ہوجاؤ۔ تو فوراً اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جاؤ۔

دعا: اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے مضبوط تعلق پر قائم رہیں اور ہمارے خوف دور ہوکر ترقی کریں۔ اور اللہ تعالےٰ ہمیں اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے نجات دے۔ اور جس طرح اپنے پاک بندوں کی ہمیشہ تائید کرتا ہے ہماری بھی کرے۔ (آمین ثم آمین)

خطبۂ جمعہ

فرمودہ ۱۷ر جولائی ۱۹۱۲ء

موسمی رخصتوں پر جانیوالے طلباء کو نصائح

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعداً علیہ حقاً فی التوراۃ والانجیل والقرآن۔ ومن اوفیٰ بعھدہٖ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ۔ وذالک ھو الفوز العظیم۔ التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الامرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ وبشر المومنین ط۔

چونکہ جلدی ہی دونوں سکولوں میں رخصتیں ہونیوالی ہیں۔ اور غالباً اسی ہفتہ میں ہمارے بعض اُستاد اور سب بچے اپنے گھروں کو جاوینگے۔ اسلئے میں نے وہ ترتیب جو شروع کی ہوئی تھی۔ اُسے چھوڑ کر چاہا۔ کہ بچوں کو کچھ نصائح کر دوں۔

دنیاوی تجارت

دنیا میں قسم قسم کی بیعیں ہوتی ہیں۔ اور بڑا بیوپار اور تجارت ہو رہی ہے۔ یورپ کا سارا زور تجارت پر ہے۔ اس زمانہ میں تجارت کا اتنا زور ہے۔ کہ اُس کی وجہ سے بعض مفید اور نیک باتیں دنیا سے مفقود ہیں۔ مثلاً مہمان نوازی۔ یہ ایک اعلیٰ وصف تھا۔ لیکن یورپ میں کوئی کیسا عزیز اور دوست کیوں نہ ہو۔ اُسے ہوٹل میں اُترنا پڑتا ہے۔ اور کھانے پینے کا بل اس کے سامنے پیش کر دیا۔ اور پیسے وصول کر لیے جاتے ہیں ؁

اور اس زمانہ میں ہر ایک ذلیل سے ذلیل چیز کی بھی بیع ہو رہی ہے۔ جیسے مہتر کا انتظام ہے۔ شہروں میں اب پاخانہ بھی فروخت کیا جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی ذرا بھر نفع دینے والی چیز ہوگی۔ جھٹ اُسے فروخت کر دیا جائے گا ؁

تم یہاں سے چلو گے تو یہیں سے تم بیع میں لگ جاؤ گے۔ یکّہ والے سے بیع ریل میں۔ پھر سٹیشنوں پر جا کر مختلف قسم کی بیعیں ہونگی۔ برف مٹھائی مختلف قسم کے میوے اور مختلف قسم کی اور چیزیں ہونگی۔ جن کو تم بیع کرو گے۔ لیکن یہ وقتی بیعیں ہونگی۔ یہ سب چیزیں جو تم لو گے۔ کچھ تو گھر پہنچتے پہنچتے تمہارا جزو بدن ہو چکی ہونگی۔ کچھ فضلہ بن کر تم سے الگ ہونگی۔ پھر جو چیزیں تم گھروں میں لیکر جاؤ گے وُہ تم اپنے بھائیوں اور عزیزوں کو دو گے بچوں کو دو گے۔ وُہ بھی اُنہیں کھا کر ختم کر دینگے لوگ بھاگے بھاگے اِدھر سے اُدھر۔ اُدھر سے اِدھر پھرتے ہونگے۔ ان کی غرض یہ ہے کہ ان کی چیزیں بِک جائیں۔ اور وُہ اس کے بدلہ میں روپے پیسے لیں۔ وُہ چیزیں بھی پھر تمہارے پاس نہ رہینگی۔ بلکہ تمہارا جزو بدن ہونگی۔ یہ تو ہیں وقتی بیعیں جو فنا ہونے والی اور محدود ہیں ؁

خدائی تجارت

لیکن اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں ایک بیع بتلاتا ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ خدا فرماتا ہے ہم تم سے ایک بیع کرتے ہیں۔ اور وُہ یہ ہے کہ تم ہمارے پاس اپنے

نفس اور اموال بیچ دو۔ اور ہمیں اس کے بدلے میں ہم ایک کبھی نہ ختم ہونیوالی چیز دیتے ہیں۔ دنیا کی خرید و فروخت کی چیز زیادہ سے زیادہ کچھ سالوں تک جائیگی لیکن ہم جو چیز دیتے ہیں۔ وہ کبھی ختم نہ ہوگی۔ اور اس کے بدلے میں آرام اور سکھ تم کو ملیگا۔

الٰہی اور دنیاوی بیع میں فرق دنیا میں تو جو چیز کوئی خریدتا ہے۔ یا بیچتا ہے۔ تو وہ اپنے پاس سے ایک چیز دیکر دوسرے کے پاس سے اسکی محنت لیتا ہے۔ بیچنے والا ایک چیز اپنی محنت کے ذریعہ پیدا کرتا پھر اسے بیچتا ہے۔ لیکن اللہ تعالے انسان کو بغیر اس کی محنت و مشقت کے ایک چیز دیتا ہے پھر کہتا ہے۔ اچھا یہ چیز ہمارے پاس ہی بیچ دو۔ ہم تمہیں اس کے بدلے میں ایک غیر فانی چیز دیتے ہیں۔ اللہ تعالے نے انسان کو خود ناک۔ کان۔ ہاتھ۔ پاؤں سر منہ۔ غرض تمام اعضاء عنایت کئے۔ اور مال بھی اپنے پاس سے دیا۔ لیکن پھر وہ انسان کو کہتا ہے۔ یہ چیز بیچ دو۔ اس کے بدلہ میں میں تم کو ایک اعلےٰ چیز دونگا۔ کیا تم بتلا سکتے ہو۔ کہ اس بیع میں کوئی نقصان ہے؟ نادان ہے وہ شخص جو اس بیع کے کرنے سے ہچکچائے۔

پھر اس بیع میں اور عجائب ہیں۔ کوئی انسان جب کوئی چیز خریدتا ہے تو اسے اپنے گھر لے جاتا ہے۔ اور اسے اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔ لیکن اللہ تعالے نفس و اموال کو خرید کر فرماتا ہے۔ اچھا تم اپنے پاس رکھو۔ اور اپنے استعمال میں لاؤ۔ ہاں جب کبھی ہم کوئی حکم تم کو کریں۔ تم وہ ادا کر دینا۔ باوجود اس کے کہ تم وہ چیز بیچ چکے ہو۔ لیکن پھر تمہیں دیدی۔ کہ تم اس سے فائدہ حاصل کرو۔ ہاں ہمارا حکم کوئی ہو۔ اسے مان لینا۔ اور اس کو جہاں جہاں ہو۔ استعمال کر لینا۔ نفس بک کر آسمان پر نہیں چلا جاتا۔ بلکہ ہمارے ہی پاس رہتا ہے۔ ہم تمام اعضاء کو استعمال کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ خدا کوئی حکم دے۔ تو اسے ماننا ہوگا۔ یہ تو اس بیع کے اجزو ہے اور اس کے نفع بتلائے۔ اب کام فرماتا ہے۔ کہ کیا کرنا ہے۔

جو کام ہمیں کرنا چاہیئے یقاتلون فی سبیل اللہ نفس و اموال کس طرح

خریدے جاتے ہیں۔ وُہ کسی خزانے میں داخل نہیں ہو جاتے۔ بلکہ ہمارے پاس ہی رہتے ہیں۔ شرط صرف یہ ہے۔ کہ مومن کو خدا کے رستے میں لڑنا چاہیئے۔ اور اس کی عظمت و جلال قائم کرنے اور اسے ثابت کرنے کے لئے کوشش کریں ؏

ان شریروں کا مقابلہ کریں۔ اور اگر وُہ دینِ حقہ کو تلوار سے مٹانا چاہیں تو یہ تلوار کو اُن کے مقابلہ پر چلائیں۔ اور خدا کی عظمت کو ظاہر کریں۔ اور اگر وُہ مال یا جان یا کُتب کے شائع کرنے سے مقابلہ کریں۔ تو مومن کو چاہیئے کہ وُہ ان کا مقابلہ جان مال کُتب کے شائع کرنے سے کرے۔ پھر مقابلہ پر تو بعض لوگ مارے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ یا دشمن مار دے۔ مگر مومن اپنے مارے جانے کی پرواہ نہیں کرتے ؏

بار ہا آزمایا ہوا عہد

یہ وعدہ کوئی نیا تم سے ہی نہیں۔ بلکہ یہ وعدہ ہم پہلے توراۃ میں پھر انجیل میں کر چکے ہیں۔ اور اس وعدہ کو تم توراۃ میں آزما چکے ہو۔ اور انجیل میں بھی۔ جب ہم اس کو دو مرتبہ سچا کر کے دکھلا چکے ہیں۔ تو کیا اب ہم اس سے پھر جائینگے؟ تم دو مرتبہ دیکھ چکے ہو۔ جنہوں نے توراۃ کی پیروی کی۔ انجیل کی پیروی کی۔ وُہ کامیاب ہو گئے جس خدا نے دو مرتبہ اسے سچا کر دیا۔ وہ اب بھی اسے سچا کر دکھلائیگا (دو مرتبہ ان مخاطب قوموں کے لحاظ سے فرمایا۔ ورنہ ایسے تو ہزاروں قوموں پر یہ صادق آچکا ہے) انسان جب ایک بات کو ایک مرتبہ آزمالے۔ تو پھر اسے اس کے کرنے میں کوئی جھجک نہیں رہتی۔ اور وُہ اُسے کرتے ہوئے ڈرتا نہیں۔ انسان جب ایک مرتبہ پانی پی کر دیکھ لیتا ہے کہ پانی نے پیاس کو بجھا دیا۔ تو اب اسے دوبارہ کبھی اس بات میں تامل نہیں رہیگا کہ پانی پیاس کو بجھاتا ہے یا نہیں۔ اور جب دیکھتا ہے کہ روٹی سے پیٹ بھر جاتا ہے۔ تو اسے کبھی شک نہ ہوگا کہ روٹی سے پیٹ نہیں بھرتا۔ تو خدا نے جب دو مرتبہ اس وعدہ کو سچا کر کے دکھلا دیا۔ تو اب اس کے ماننے میں انکار کی گنجائش نہیں رہیگی۔ اور اُسے یقین کرنا چاہیئے ؏

یہ بیع بہرحال مفید ہے

فَاسْتَبْشِرُوْا۔ پس اے لوگو! تم اپنی اس بیع پر خوش ہو۔ یہ ایک دُنیا میں عظیم الشان کامیابی ہے لوگ دُنیا میں آٹھ آٹھ دس دس روپے کے بدلے سر کٹواتے ہیں۔ لیکن وُہ تنخواہیں اور وُہ وعدے جو دنیاوی گورنمنٹ کی طرف سے ہوتے ہیں وُہ محدود ہوتے ہیں۔ وُہ صرف پہلے پہلے کے لئے ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے احسان اور اُس کے انعام صرف اسی دنیا تک کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ وُہ مرنے سے پہلے بھی ملتے ہیں۔ اور مرنے کے بعد وُہ اور زیادہ زور سے ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ دُنیا میں ایک سپاہی کو ایک گولی لگی ہوئی گورنمنٹ کے انعاموں سے محروم کر سکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ کے انعاموں سے تو اُسے کوئی چیز محروم نہیں کر سکتی۔

انعام لینے کے طریق

پس تم یہ انعام لینا چاہتے ہو تو اَلتَّائِبُوْنَ تائب (خدا کی طرف جھکنے والے) بن جاؤ۔ لوگ بعض کو بڑے سمجھ کر اُن کی طرف جھکتے ہیں۔ لیکن مومن وہی ہے جو خدا کی طرف جھکے۔

اَلْعٰبِدُوْنَ تم خدا کے فرمانبردار بن جاؤ۔ اور اُس کی اطاعت میں لگ جاؤ۔ اسلام کا خدا ایسا خدا نہیں ہے۔ جو غلطی کو معاف نہ کرے۔ بلکہ جو خدا اسلام نے پیش کیا ہے۔ اگر تم سے کوئی غلطی ہو جائے۔ تو تم اس کی طرف جھکو۔ اور اُسکی فرمانبرداری کرو۔ وُہ تم کو معاف کر دیگا۔ تم اُس کی اطاعت کرو۔ اطاعت دو قسم کی ہے۔ ایک انسان ہے۔ جو اطاعت کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا رہتا ہے کہ مجھ پر ظلم ہو رہا ہے۔ ایک اطاعت یہ ہے۔ کہ انسان اطاعت کرے۔ اور اُسے ظلم پر محمول نہ کرے۔ مومن خدمت کرکے اَلْحٰمِدُوْنَ خدا کی حمد کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا فضل اور احسان ہے۔ کہ اُس نے ہمیں اپنی اطاعت کی توفیق دی۔ اور اپنے خدام میں شامل کیا نہ کہ چھٹے۔ بلکہ اطاعت کرے اور ساتھ حمد بھی کرے۔ پھر اس پر بس نہیں۔ بلکہ اَلسَّآئِحُوْنَ نفس پر دُکھ بھی جھیلتے ہیں۔ اور روزے رکھتے ہیں۔ لوگوں سے قطع تعلق کرکے ایک طرف ہو کر خدا

کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اللہ کی خدمت اور فرمانبرداری کے لئے سفر کرتے ہیں پھر اَلرّٰکِعُوْنَ وہ علیحدہ ہوکر اللہ کی عبادت کے لئے جھک جاتے ہیں۔ صرف جھکتے ہی نہیں۔ بلکہ اَلسّٰجِدُوْنَ بالکل گر ہی جاتے ہیں۔ اور جب ان کے نفس اس حد تک پہنچتے ہیں۔ تو وہ اس سے ترقی کرکے اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ لوگوں کو نیک باتوں کی طرف بلاتے رہتے ہیں۔ صرف اپنی جان کیلئے لوگونکو امر بالمعروف نہیں کرتے۔ بلکہ دنیا میں امر بالمعروف تو بہت ہی آسان ہے۔ نہی عن المنکر مشکل ہے۔ اس لئے مومن اَلنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ۔ نہی عن المنکر بھی کرتے ہیں۔ بمبئی میں میں نے دیکھا ہے۔ کوئی مولوی اگر وعظ کرنے لگے تو اسے کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ مولوی صاحب اگر روپے لینے ہیں۔ تو یہاں سود پر تقریر مت کرنا۔ اور جو باتیں ہم کرتے ہیں۔ اُن سے روکنے کے لئے وعظ مت کرنا۔ ہاں ویسے وعظ نصیحت کردو۔ اور نماز روزہ کی تاکید کردو۔ تو لوگوں کو ان کے قصور پر مطلع کرنا۔ اور ان سے روکنا مشکل امر ہے۔ پھر اس کا صرف یہی کام نہیں۔ جب وہ یہاں تک پہنچے تو اُسے وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ پولیس مین کی طرح چوکس رہنا چاہیئے۔ اور ہوشیاری سے کام کرنا چاہیئے۔ کوئی آدمی اللہ تعالےٰ کے کسی حکم کو توڑے نہیں۔ وہ اللہ تعالےٰ کے احکام کو قائم کرواتے رہتے ہیں۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ ایسے مومنوں کو خدا کی طرف سے بشارت ہے ◆

لڑکوں کو نصیحت

تو تم رہتے ہیں کئی طرح کی بیعیں دیکھو گے۔ لیکن خوب یاد رکھو۔ اللہ تعالےٰ بھی ایک بیع تم سے کرتا ہے۔ ہر ایک شخص جو اپنا نام مسلمان رکھتا ہے۔ وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے۔ کہ میں نے خدا سے یہ بیع کی۔ پس تم اس بات کا خیال رکھنا۔ کہ تم اس پر کتنا عمل کرتے ہو۔ تم نے مسلمان ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ تم اب قادیان سے جاتے ہو۔ لوگ نہیں دیکھینگے کہ تم وہاں سے کیا سیکھ کر آئے ہو۔ اور تم ان شرائط کی کس حد تک پابندی کرتے ہو۔ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ تم سے غلطی ہو نہیں سکتی۔ ہاں اگر تم سے کوئی غلطی سرزد ہوجائے

تو فوراً اللہ تعالےٰ کے سامنے جھک جاؤ۔ اور گھبراؤ نہیں۔ جب غلطی ہو۔ فوراً خدا کے سامنے جھک جاؤ۔ اور اس سے معافی مانگ لو۔ انسان گرتا ہی سوار ہوتا ہے جو کبھی سوار ہی نہیں ہوا۔ وہ گریگا کیسے اور وہ میدان جنگ کا سپاہی کیونکر بنے گا کسی شاعر نے کہا ہے ؎

گرتا ہے شہسوار ہی میدان جنگ میں
وہ طفل کیا گریگا جو گھٹنوں کے بل چلے

اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالےٰ ہی کیطرف خیال رکھو۔ اور عبادت کی طرف خیال رکھو اور کڑھو نہیں۔ بلکہ اَلْحَامِدُوْنَ خدا کی حمد کرتے رہو۔ اور اسی کی حمد کر کے اٹھو نماز و روزہ وغیرہ ادا کرو۔ دین میں سستی نہ کرو۔ اور اللہ تعالےٰ کی حمد کرو۔ کہ اس نے تمہیں ایسے والدین دیئے۔ جو دین کے خادم ہیں۔ خود کام کرو تو بھی الحمدللہ کہو۔ کہ اللہ تعالےٰ نے تمہیں توفیق دی۔ جو بات امر الٰہی کیخلاف ہے۔ اور لغو ہو۔ اُسے فوراً ترک کردو۔ اور فوراً اس سے علیحدہ ہو جاؤ۔ اور خدا کے احکام کے پورا کرنے میں لگ جاؤ۔

اَلرَّاکِعُوْنَ تمہارا سر ہمیشہ اسی کے دروازے پر جھکا رہے۔ اَلسَّاجِدُوْنَ پھر بالکل اسی کی طرف جھک جاؤ۔ کوئی دوسری جگہ ایسی تمہاری نگاہ میں نہ ہو جو خدا کے سوا ہو۔ وہ شخص جو ایک خدا کو نہیں مانتا۔ اسے مختلف دروازوں پر جانا پڑیگا۔ لیکن ایک مسلمان اور مومن انسان کو کبھی یہ امید نہیں چاہیئے۔ کہ اسے کسی اور جگہ سے بھی ملیگا۔

ایک تمثیل ایک عابد تھا۔ جو پہاڑ میں رہا کرتا تھا۔ اس کو اللہ تعالےٰ نے اُس کا رزق پہاڑ ہی میں پہنچا دیتا تھا۔ ایک دن اسے روٹی نہ ملی۔ اس نے صبر کیا۔ دوسرے دن نہ ملی۔ اس نے صبر کیا۔ تیسرے دن نہ ملی۔ تو وہ اس پہاڑ سے اُتر کر ایک شہر میں چلا گیا۔ وہاں سے سوال کر کے اُس نے تین روٹیاں حاصل کیں۔ جب مکان کے مالک سے اُس نے روٹیاں لیں۔ اُس کا کتا اس فقیر کے پیچھے لگ

گیا۔ فقیر نے اُسے آدھی روٹی ڈال دی۔ پھر اُس نے پیچھا کیا۔ اُس نے نصف اور ڈال دی۔ اسی طرح اس نے دو روٹیاں اُس کے آگے ڈالیں۔ پھر بھی کُتے نے اُس کا پیچھا کیا۔ تو اُس نے کہا۔ تجھے شرم نہیں بے حیا۔ دو روٹیاں تو میں تجھے ڈال چکا ہوں۔ پھر اُس فقیر کو کشفی حالت میں اُس کُتے نے کہا۔ بیحیا تو تُو ہے۔ تین دن روٹی نہیں ملی۔ تو اپنے مالک کو چھوڑ کر دوسروں سے مانگنے لگ گیا۔ مجھے سات سات دن بھوکا رہنا پڑتا ہے۔ لیکن کبھی مالک کا گھر چھوڑ کر دوسری جگہ نہیں گیا۔ بتا بے حیا میں ہوں یا تو؟ جو اپنے رازق کا دروازہ چھوڑ کر ایک ادنےٰ آدمی کے پاس مانگنے چلا آیا۔

سجدے کے کیا معنی

تو اللہ فرماتا ہے۔ مومن کو چاہیئے۔ وہ سجدے میں گر جاوے۔ رکوع میں تو انسان کی نظر پھر بھی تھوڑی دُور تک پہنچ سکتی ہے۔ لیکن سجدے میں اُسے سوائے سجدے کی جگہ کے اور کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اس سے بتلایا۔ کہ مومن کو چاہیئے۔ کہ اُس کی نظر سوائے خدا کے کسی پہ نہ پڑے۔ اور اُس کی توجہ صرف اُسی کیطرف ہو۔ (رکوع اور سجدہ کا لفظ اسی لئے علیحدہ علیحدہ فرمایا۔ ورنہ نماز کا حکم ہی کافی تھا۔)

دین کے معاملہ میں کسی کی پرواہ مت کرو

الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر پھر تم لوگوں کو امر بالمعروف کرو۔ اور بُری بات اگر دیکھو۔ تو اس سے روکو۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مؤمن اگر کسی بُری بات کو دیکھے۔ تو چاہیئے۔ کہ اُسے اپنے ہاتھ سے روکے اگر نہیں۔ تو منہ سے ورنہ دل میں ہی اس کو بُرا منائے۔ یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔ پس تم کسی کی پرواہ مت کرو۔ اور کوئی بات بُری دیکھو۔ تو اُس سے روک دو۔ اور حافظین لحدود اللہ ہو جاؤ۔ پولیس مینوں کی طرح لوگوں کو بُرائی سے روکو!

دین پر قائم ہو جاؤ

ایک بیعیں تو تم سٹیشنوں پر کرو گے۔ ایک بیع یہاں بھی کرتے

جاؤ۔ سٹیشنوں پر تو تمہیں کوئی روکنے والا نہ ہوگا۔ تم اسراف سے کام نہ لینا بیعیں بیشک کرو۔ اس سے ہم منع نہیں کرتے۔ لیکن اسراف سے بچنا تم لوگوں کیلئے نمونہ بننا۔ ان کی توجہ تمہاری طرف ہے۔ وہ دیکھینگے۔ تم کیا سیکھ کر آئے ہو۔ تم اُن کے لئے ٹھوکر کا باعث نہ ہو جاؤ۔ اپنے گھروں کے فسادوں کو دُور کرو۔ اور دین کیلئے اپنے اندر خاص جوش رکھو۔ بچپن میں تم سیکھ لو۔ اور بچپن میں کام کرو۔ تاکہ بڑے ہوکر تمہیں کوئی مشکل نہ پڑے۔ اور بچپن میں ہی نماز روزہ صدقہ و زکوٰۃ کی عادت ڈالو۔ تاکہ بڑے ہوکر تم کو تکلیف نہ ہو۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ جو چھوٹے ہونے کی حالت میں نماز نہیں پڑھتے۔ وہ بڑے ہوکر نماز میں پاؤں کو سیدھا نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ درد ہوتا ہے۔ اسکی وجہ یہی ہے۔ کہ ان کو عادت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہاں موقعہ دیا ہے۔ کہ تم ہر نیک کام کو سیکھو۔ دُنیا کے بچے گنہگار یا ملزم نہیں۔ ان کو موقع نہیں ملا۔ لیکن تم الزام کے نیچے ہو۔ اور تم مجرم ہو۔ کیونکہ تم سُن چکے ہو۔ اور تمہیں تعلیم دی گئی ہے۔ تم اپنی اصلاح اسی وقت کرو۔ چھوٹا پودا جو ابھی اُگا ہی ہو۔ اُسے بچہ بھی اپنی انگلی پر لپیٹ سکتا ہے۔ لیکن وہی پودا جب درخت بن جاوے۔ اور بڑا درخت ہو جاوے۔ تو اسکو اکھیڑنا مشکل ہے۔ تم ابھی سے اپنے دلوں میں دین کی تعلیم بٹھا لو۔ اس وقت جو تعلیم تم سُنتے ہو۔ اُسے ذہن نشین کر لو۔ اور اس پر عمل کرو۔

دُعا خدا تعالےٰ تمہیں توفیق دے۔ تم دین کو سیکھو۔ اور لوگوں کو سکھاؤ اور جو تم نے سیکھا ہے۔ اس میں سے خرچ کر کے ترقی کرو۔ ایک چیز کو انسان خرچ کرتا ہے۔ تو وہ چیز بڑھتی ہے۔ تم دین سیکھو لوگوں کو سکھاؤ۔ تم خیریت سے جاؤ۔ اور خیریت کے ساتھ اپنے گھروں میں رہو۔ اور گھر والے تم کو اور تم اُن کو خیریت سے دیکھو۔ پھر اس میں جو تم نے سیکھا ہوا ہے ترقی کر کے مع الخیر یہاں واپس آؤ۔ اور اس سے آگے آکر سیکھو۔ آمین ثم آمین!

خطبہ جمعہ

محض مسلمانی کا دعویٰ کرنیسے انسان مسلمان نہیں ہوسکتا جبتک کہ حقیقت پیدا نہ کرے

فرمودہ ۲۳ جولائی ۱۹۱۴ء

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ۔

منہ سے ایک بات کا دعویٰ کرنے اور اُس پر عمل کرکے دکھانے میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ اگر انسانوں کے زبانی دعووں پر جائیں۔ تو یہ دنیا کچھ اور کی اور ہی بنجائے بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو کسی سے بڑے پیار اور محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے۔ تو دشمن ثابت ہوتے ہیں۔ اسلئے اگر ہر ایک کے دعویٰ پر یقین کر لیا جاوے۔ تو دنیا میں اندھیر پڑ جائے۔ ہر ایک شخص کے دعویٰ کا تجربہ اسکے عمل کے بعد ہوتا ہے۔ جو لوگ کسی بات پر یونہی یقین کر لیتے ہیں وہ اکثر دھوکا کھاتے ہیں۔ اپنے منہ سے تو یہودی عیسائی۔ ہندو۔ مسلمان سب ہی کہتے ہیں۔ کہ ہم ہی نجات پا جائینگے۔ ہمارے ساتھ خدا تعالیٰ کا تعلق ہے۔ لیکن ان سب میں سے کس کس کی بات مانی جائے۔ دراصل اسی کی بات ماننے کے قابل ہے جو اس بات کی تائید اپنے عمل سے کرتا ہے۔ اور جو عمل سے تائید نہیں کرتا وہ اس قابل نہیں ہے۔ کہ اُس کی بات مانی جائے۔

پاگل اور عقلمند میں فرق

میں ہمیشہ اس بات پر غور کیا کرتا ہوں کہ پاگل اور عقلمند میں کیا فرق ہے۔ تو مجھے یہی بات ثابت ہوئی ہے کہ پاگل وہ ہوتا ہے جو ایک بات کا دعویٰ کرتا ہے لیکن عمل سے اسکو ثابت نہیں کرتا اور

دانا وہ ہوتا ہے۔ جو جس بات کا دعویٰ کرے۔ اُس کو عمل سے ثابت کر دے مثلاً اگر ایک شخص کہے۔ کہ میں بادشاہ ہوں۔ اور دراصل وہ بادشاہ نہ ہو۔ تو لوگ اُس کو پاگل کہیں گے۔ لیکن اگر ایک شخص اپنے آپ کو بادشاہ کہے۔ اور فی الواقع وہ بادشاہ ہو۔ تو اس کو کوئی پاگل نہیں کہے گا۔ اسی طرح وہ شخص جو ٹھیکریوں کو روپے اور اینٹوں کو سونا چاندی کہے۔ پاگل ہوتا ہے۔ لیکن روپوں کو روپے اور سونا چاندی کو سونا چاندی کہنے والے کو کوئی پاگل نہیں کہتا۔ پس یہی پاگل اور عقلمند میں فرق ہوتا ہے۔ لیکن بڑے تعجب کی بات ہے۔ کہ اکثر لوگ نیک اور متقی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور وہ نہیں ہوتے۔ تو دنیا انہیں پاگل نہیں کہتی۔ حالانکہ اِس پاگل اور اُس پاگل میں (جس کو لوگ پاگل کہتے ہیں) کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ بھی ایک دعویٰ کرتا ہے۔ جس کا ثبوت اُس کے پاس نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی متقی اور پرہیزگار ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ جسکو اپنے عمل سے ثابت نہیں کر سکتا۔

وعدہ پر قائم رہنا

اسی طرح بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔ جو وعدہ تو کرتے ہیں لیکن اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہتے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ ہم اپنے وعدوں کے مطابق کر رہے ہیں لیکن انکا عمل انکی بات کی تصدیق نہیں کرتا۔ دوسری قوموں کو کیا کہنا ہے مسلمانوں کو ہی دیکھ لو۔ کہ ایک مسلمان کتنے وعدے کرتا ہے۔ پہلے کلمہ پڑھتا ہے۔ اشہد ان لا الہ الا اللّٰہ یہ کتنی بڑی شہادت ہے وہ کہتا ہے کہ میں خدا کے سوا کسی کو معبود نہیں مانتا۔ تمام طاقتیں۔ خوبیاں۔ اور بڑائیاں اسی کیلئے ہیں میں کسی کو خدا تعالیٰ الیسی عزت نہیں دیتا۔ کسی کو اس سے زیادہ طاقتور نہیں سمجھتا۔ لیکن باوجود یہ باتیں کہنے کے۔ کہیں عزت کیوجہ سے کہیں نفس کی خواہشات کیوجہ سے کہیں عہدہ حاصل کرنیکی غرض سے سازشیں کرتا ہے۔ جھوٹ۔ فریب۔ چوری ڈاکہ زنی قتل اور طرح طرح کے فسق و فجور کرتا ہے۔ اور پھر کہتا ہے کہ میں لا الہ الا اللّٰہ کا قائل ہوں۔ کنجنیاں بھی باوجود اس قدر گندا اور پلیدی کے یہی کہتی ہیں کہ الحمد للّٰہ ہم مسلمان ہیں جیلخانوں میں اگر خطرناک سے خطرناک جرم کے قیدی سے بھی پوچھا جائے تو وہ بھی یہی کہتا ہے کہ مسلمان ہوں حالانکہ مسلم وہ ہوتا ہے۔ جس کے دل میں خدا تعالیٰ نے

کی مرضی کے خلاف کسی چیز کی عظمت۔ محبت طلب اور پیار نہ ہو۔ لیکن ایک شخص تمام افعال بد کرتا ہوا بھی یہی کہتا ہے۔ کہ مَیں مسلمان ہوں۔ تو یہ کہاں مسلمان ہو سکتا ہے۔

رسول کریم صلعم کو ماننا

پھر ایک شخص محمدؐ رسول اللہ کہتا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی فرمایا ہے۔ اس کو مَیں مانتا ہوں لیکن صریحاً آپ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ مَیں مسلمان ہوں۔ تو بہت لوگ منہ سے بہت کچھ کہتے ہیں۔ لیکن کرتے نہیں۔ یہی وجہ اسلام کے تنزل کی ہے۔ کہ مسلمان باوجود لا اله الا اللہ کا اقرار کرتے ہوئے کہ ہم خدا سے ہی محبت رکھتے ہیں۔ اور کسی شے سے نہیں رکھتے۔ اوروں سے تعلق رکھنے لگے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے ان کی پرواہ نہ کرنے لگے۔ اپنے نفس، ماں، باپ، حاکم، دوست وغیرہ کا تو حکم مانتے ہیں۔ لیکن اگر کسی کا حکم نہیں مانتے۔ تو ہمارے رسول کریم صلعم کا حکم نہیں مانتے کہنے کو تو سب کہتے ہیں کہ ہم متقی ہیں۔ پرہیز گار ہیں۔ ہمارا خدا تعالیٰ سے تعلق ہے لیکن جس شرط کیوجہ سے وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ جب اس کو پورا نہیں کرتے تو وہ مسلمان کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کا ان سے تعلق کیونکر ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ تو سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ پہلی قوموں کو اسی عادت بد نے تباہ کیا۔ کہ جو کچھ وہ کہتی تھیں۔ وہ کرتی نہ تھیں۔ مسلمان بھی اسی وجہ سے تباہ ہوئے ہیں۔ اب مسلمان اس وقت تک کبھی ترقی نہیں کر سکیں گے۔ جب تک کہ جو کچھ منہ سے کہتے ہیں۔ وہ عمل سے نہ کر دکھائیں۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم نے یہودیوں سے پکا عہد لیا۔ اور رکھا ایسا کہ وہ طور کے دامن میں تھے۔

کہا جو کچھ تم کو دیا جاتا ہے۔ اس کو مضبوط پکڑنا۔ (ہم نے بھی خدا سے کئی عہد کئے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کئے ہیں) اور ان باتوں کو خوب یاد رکھنا تاکہ تم عذاب سے بچو۔ لیکن پھر تم اس کے بعد پھر جاتے ہو۔ تمہاری مثال

مسلمانوں کے اعمال میں ہے۔ کہ وہ خدا کے حضور پانچ وقت اقرار کرتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہم تیرے ہی فرمانبردار ہیں۔ اور تیرے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرینگے۔ مگر پھر مسجد سے نکلتے ہی احکام الٰہی کی خلاف ورزی شروع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی۔ اور تم کو تمہارے اعمال کی وجہ سے سزا دی جاتی۔ تو تم بڑے گھاٹا پانے والوں میں سے ہوتے اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اُن کی شرارتوں کی وجہ سے سزا دینا شروع کرے تو کوئی بھی دنیا میں نہ بچ سکے۔ خدا تعالےٰ کا رحم اور فضل ہوتا ہے۔ کہ ڈھیل دیتا ہے۔ پس شریف وہی ہوتا ہے۔ جو رحم کو دیکھکر فائدہ اٹھائے۔ اور سزا سے بچے۔

دُعا خدا کرے تم سب لوگ شریف بنو۔ اور خدا تعالےٰ کے فضل اور رحم کو دیکھکر اپنے اندر اصلاح پیدا کرو۔ اگر خدا ہماری غلطیوں کو دیکھکر پکڑتا نہیں۔ تو یہ اس کی ستاری ہے تم اُس سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اور اصلاح کرلو۔ اور جو وعدے تم نے کئے ہیں۔ اُن پر قائم رہو۔ اور خدا تعالےٰ سے دعا کرتے رہو کہ اے الٰہی! جو ہم نے وعدے کئے ہیں۔ ان کے پورا کرنیکی آپ ہی ہمیں توفیق دینا۔ ہم تو بہت کمزور ہیں۔

خُطبہ جمعہ

فرمودہ ۳۱ جولائی ۱۹۱۴ء

رمضان مجاہدۂ نفس کا مہینہ ہے اس سے فائدہ اُٹھاؤ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ سورہ بقر رکوع ۲۳

اللہ تعالےٰ کا کس قدر احسان کس قدر فضل اور کس قدر رحمت ہے کہ اس نے مسلمانوں پر جو شریعت نازل فرمائی ہے اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عمل

کرنے کیلئے احکام اُتارے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو ناقابلِ عمل ہو۔ بلکہ ہر ایک وہی حکم دیا ہے۔ جسے انسان آسانی سے کر سکتا ہے کھانا پینا انسان کے لئے ایسے لازمی اور ضروری حوائج ہیں کہ اگر انسان کو کہا جائے کہ تم کو ایک مدت تک چھوڑنے پڑینگے۔ تو وہ یہ بات سُنکر گھبرا جائے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے کیا لطیف پیرائے میں یہ بات بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اے مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ یہ حکم سُنکر ممکن تھا۔ کہ لوگ گھبرا جاتے کہ کسطرح ہم کھانا پینا اور ایک حد تک بولنا۔ عورتوں سے تعلق رکھنا قطع کر سکینگے اسلئے فرمایا۔ کما کتب علی الذین من قبلکم یہ کوئی ایسا حکم نہیں ہے کہ کوئی اسکو نہ کر سکے یہ حکم تو ہم پہلے بندوں کو بھی دیتے آئے ہیں اسلئے تمہارے گھبرانے کی کوئی بات نہیں ۔

قرآن کریم کا معجزہ

قرآن شریف کا یہ ایک معجزہ ہے کہ جو حکم دیتا ہے۔ اس حکم کی وجہ سے جو خطرات اور مشکلات انسان کے دل میں پیدا ہونے ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی ان کا جواب دے دیتا ہے۔ تو جہاں یہ حکم دیا کہ اے مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ وہاں ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ ممکن ہے تمہیں یہ بات بڑی معلوم ہو کہ کس طرح کھانا پینا اور بہت حد تک بولنا۔ اور عورت سے صحبت کرنا ترک کر سکینگے۔ اور فطرتاً تمہیں یہ خیال پیدا ہوا ہوگا۔ لیکن دراصل یہ کوئی ایسا حکم نہیں جس پر تم عمل نہ کر سکو۔ اس حکم پر تو تم سے پہلے لوگ بھی عمل کرتے آئے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا مجرب نسخہ ہے۔ کہ اگر تم اس پر عمل کرو گے۔ تو متقی ہو جاؤ گے۔

انسان کے اختیاری قویٰ

انسان کے بہت سے عمل مشق اور اس کی طاقتوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ ایک انسان جو بہت سوتا ہے اُس کی عادت ہی زیادہ سونے کی ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے سونے کو کم کرنا چاہے تو کم بھی کر سکتا ہے۔ پس بہت حد تک انسان کی ایسی طاقتیں ہوتی ہیں کہ جیسی اُن کو مشق کرائی جائے۔ ویسا ہی کام وہ دینے لگجاتی ہیں۔ اسی لئے جو شریعتیں آتی ہیں وہ انسان کے اندر اپنے جوارح پیدا کر دیتی ہیں کہ جن کے مشق کرنے کی وجہ سے انسانی

کسی موقعہ پر بھی مشکلات اور مصائب کا شکار نہیں ہو سکتا۔

خدا تعالیٰ کیلئے کھانا ترک کرنا اس بات کی مشق ہوتی ہے کہ اگر کبھی مصیبت آپڑے تو کوئی پرواہ نہ ہو۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کیلئے پانی پینا عورت سے صحبت کرنا چھوڑنا اور راتوں کو جاگ جاگ کر عبادت کرنا ان باتوں کیلئے تیار کرتا ہے کہ اگر کوئی ایسی تکلیف اُٹھانی پڑے۔ اور کچھ چھوڑنا پڑے۔ تو انسان گھبرائے نہیں ماہ رمضان میں مومن محض خدا تعالیٰ کے لئے کھانا چھوڑتا ہے۔ جو کہ اس بات کا نمونہ ہے۔ کہ اگر کبھی اُسے خدا کی راہ میں کچھ چھوڑنا پڑے۔ تو وہ ضرور چھوڑ دیگا مومن رمضان میں پانی پینا خدا تعالیٰ کیلئے ترک کرتا ہے۔ بیوی کے تعلقات خدا تعالیٰ کے لئے چھوڑتا ہے۔ اپنی نیند کو قربان کر کے خدا تعالیٰ کی عبادت میں لگاتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ انسان کو نمونہ دکھاتا ہے۔ کہ تم ایک مہینہ مشق کر کے دیکھ لو۔ تاکہ اگر تمہیں کہیں یہ باتیں پیش آئیں۔ تو آسانی سے کر سکو۔

ہر ایک انسان کو مشق کرانے کی ضرورت

دنیا کی سب گورنمنٹوں میں کچھ اس قسم کی فوجیں ہیں۔ جو کہ سارا سال کام کرتی ہیں اسی طرح مومنوں میں بھی ایک گروہ ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔
ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر
اور گورنمنٹوں کی ایک ریزرو فوج ہوتی ہے۔ جو کہ سال میں ایک یا دو مہینے کام کرتی ہے۔ اور جب جنگ کا موقع ہوتا ہے۔ تو چونکہ ان کو مشق کروائی ہوئی ہوتی ہے اس لئے فوراً ان کو بلا لیا جاتا ہے۔ چونکہ عام طور پر تمام مسلمان بارہ مہینے روزے نہیں رکھتے اور نہ ہی تہجد پڑھتے ہیں۔ اسلئے رمضان میں خصوصیت فرما دی کہ تمام مسلمان اس ایک ماہ میں مشق کر لیں۔ گو خدا تعالیٰ کا ایک گروہ ایسا بھی ہوتا ہے جو کہ سارا سال ان باتوں میں لگا رہتا ہے

مشق کا نیک نتیجہ

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ تم یہ مشق کرو تاکہ تم مشکلات سے بچ جاؤ۔ جس گورنمنٹ کی فوج مشق کرتی رہتی ہے۔ وہ دشمن کی فوج سے شکست نہیں کھاتی۔ اسی طرح جس قوم کے لوگ متقی اور نیک ہوتے ہیں اور جو خدا تعالیٰ کیلئے ہر ایک چیز کو چھوڑنے والے ہوتے ہیں شیطان کی مجال ہی نہیں ہوتی۔ کہ ان کو

ترک دے سکے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ کہ ان دنوں میں جو جماعت بدی سے بالکل محفوظ رہتی ہے۔ اس پر شیطان کو حملہ کرنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ شیطان بھی پلید اور ناپاک دلوں پر ہی حملہ کرتا ہے۔ ایک شرابی دوسرے شرابی کو ہی شراب پینے کے لئے کہیگا۔ لیکن اس کو یہ کبھی جرأت نہیں ہوگی۔ کہ کسی متقی کو کہے۔ تو جب تمام جماعت متقی ہو جاتی ہے تو شیطان بھی حملہ نہیں کر سکتا۔

فرمایا اگر تم ایسا کروگے۔ تو شیطان کے حملوں سے بچ جاؤ گے چونکہ تم میں سے ہر ایک فرد سپاہی ہوگا۔ اور اس نے دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے مشق کی ہوئی ہوگی۔ اس لئے شیطان کو حملہ کرنے کی جرأت ہی نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جبتک مسلمان تمام سپاہی تھے۔ شیطان نے ان پر کوئی حملہ نہیں کیا۔ لیکن جب خال خال رہ گئے۔ تو اس وقت ان پر حملہ کیا گیا۔ اور شیطان نے ان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالکر ان کو تباہ کر دیا۔

ایک زمانہ تو ایسا ہوتا ہے۔ جبکہ خاص خاص لوگ خدا تعالٰے کے حضور راتوں کو اٹھکر دعائیں کرتے ہیں۔ لیکن یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے فضل اور کرم ہے۔ کہ اس نے ایک ایسا موقعہ بھی رکھ دیا ہے جسمیں سب لوگ مل کر راتکو عبادت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو کہ ہمیشہ راتکو نہیں اٹھ سکتے چنانچہ بعض مزدوری پیشہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو کہ دن کو محنت کرتے ہیں۔ اسلئے رات کو ان کا اٹھنا مشکل ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو اجازت دیدی تھی۔ کہ ہمیشہ تہجد نہ پڑھا کرو۔ مگر رمضان میں تو سب کو اٹھنا پڑتا ہے۔ اس لئے بلکہ سب کی دعائیں اس وقت جبکہ خدا تعالیٰ نے کہا ہے۔ کہ میں قبول کرتا ہوں قبولیت کے درجہ کو پہنچ جاتی ہیں۔ چنانچہ روزوں کے ساتھ ہی خدا تعالے فرماتا ہے:-

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ

روزوں کے مبارک دن ہوتے ہیں پس مبارک ہے وہ انسان جو ان سے فائدہ اٹھائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تہجد کی جماعت نہیں ہوتی تھی۔ بعد میں صحابہ نے پسند کیا۔ کہ بعض لوگ چونکہ سست ہوتے ہیں۔ اس لئے جماعت سے مل کر وہ بھی پڑھ لیا کرینگے۔ پس بہتر ہے۔ کہ ایسے لوگ جو اپنے نفسوں سے ڈرتے ہیں۔ وہ سحری کھانے سے پہلے پچھلی رات یا پہلی رات ہی باجماعت پڑھ لیا کریں۔ اور جن کو اپنے نفسوں پر قابو ہے۔ وہ الگ گھر میں پڑھ لیا کریں۔ اصل مدعا تو قرآن کریم کا پڑھنا۔ اور دعاؤں میں مشغول رہنا ہے۔ گھر میں لمبی لمبی سورتیں پڑھی جا سکتی ہیں۔

ہماری مشکلات اس زمانہ میں ہمارے لئے بہت سی مشکلات ہیں۔ دنیا کے مقابلہ میں پہلے ہی ہماری جماعت ایک قلیل جماعت تھی۔ لیکن اب تو اس میں سے بھی کچھ حصہ الگ ہو گیا ہے۔ پہلے ہم غیر احمدیوں کے حملوں کو اندرونی حملے کہا کرتے تھے۔ لیکن اب تو اندرونی در اندرونی حملے شروع ہو گئے ہیں۔ اس لئے جو شخص باوجود دشمنوں کے تین حلقوں سے گھرا ہونے کے آرام سے سوتا ہے۔ وہ بیوقوف ہے۔ اور خصوصاً اس وقت جبکہ اسے جاگنے اور دشمن کے مقابلہ کے لئے تیاری کرنے کا موقعہ بھی مل جائے۔ تم ان دنوں خوفِ خدا کو مدنظر رکھ کر دعائیں کرو۔ تاکہ خدا تعالےٰ اس اندرونی فتنہ کو دور کر دے۔ تم خوب سمجھ رکھو۔ کہ خدا تعالےٰ کی نصرت کے بغیر نہ کبھی پہلے کچھ ہوا ہے۔ اور نہ اب ہو گا۔ تمہارے پاس فوج۔ لشکر۔ عزت۔ دولت۔ آلات وغیرہ کچھ نہیں۔ جس سے تم نے تمام دنیا کا مقابلہ کرنا ہے۔ تمہاری کامیابی کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اگر اس کو پکڑ لوگے۔ تو کامیاب ہو جاؤ گے۔

مشکلات کا علاج اور وہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کی چوکھٹ کو پکڑ لو۔ اور اسی کے آگے عرض کرو۔ کہ ہمیں تمام دشمنوں سے بچائیے ایک ڈاکو اسی وقت تک کسی مال پر حملہ کرتا ہے۔ جبکہ وہ پولیس کے ہیڈ کوارٹر سے دور ہوتا ہے۔ اور اگر تھانے کے پاس ہو۔ تو وہ حملہ نہیں کرتا۔ تم بھی خدا تعالےٰ کے حضور گر جاؤ۔ اور اس کی چوکھٹ کو پکڑ کر اس سے

پناہ مانگو۔ پھر تم پر کوئی حملہ نہیں کر سکے گا۔ اور اگر کریگا۔ تو اس بادشاہوں کے بادشاہ کے سپاہی اس کو خود پکڑ کر سزا دینگے ۔

یہ دن ضائع مت کرو۔ فتنے بند نہیں ہو رہے۔ بلکہ بڑھ رہے ہیں مصائب کم نہیں ہو رہے۔ بلکہ زیادہ ہو رہے ہیں۔ اسلئے تم سستی نہ کرو مسلمانوں کی تاریخ پڑھ کر حیرانی آتی ہے۔ کہ عین جنگ کے موقعہ پر بھی باقاعدہ تہجد پڑھتے تھے۔ سارا دن لڑائی میں مشغول رہتے۔ اور رات کو بجائے سونے کے خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ جنگ یرموک میں عیسائی بادشاہ نے اپنے ایک آدمی کو کوئی بات دریافت کرنے کے لیے راتکو مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا۔ تو اس نے واپس آکر کہا۔ کہ ہم کبھی ان پر غالب نہیں آسکتے۔ ہمارے سپاہی تو راستہ میں ہی گھریں کھولتی اور ہتھیار اتارنے شروع کر دیتے ہیں۔ تاکہ جلد ہی آرام کریں لیکن وہ تو رات کو بھی دعاؤں اور خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں ۔

اپنا نام قائم رکھنے کیلئے خدا کا نام لو

تم خدا تعالیٰ کا نام لو۔ کون پسند کرتا ہے۔ کہ اس کا نام مٹا دیا جائے۔ نام کے بقا کے لئے ہی لوگ اولاد کے متمنی ہوتے ہیں۔ تو جب کمزور انسان پسند نہیں کرتا۔ کہ اس کا نام مٹ جائے۔ تو وہ بڑی قدرتوں اور طاقتوں والا خدا کب پسند کر سکتا ہے کہ اس کا نام مٹایا جائے۔ اگر تم خدا تعالیٰ کے نام لیوا ہو گے۔ تو تمہارا مٹانا خدا کے نام کا ہی مٹانا ہو گا۔ پس اس کی چوکھٹ پر گر جاؤ۔ اور دعاؤں میں لگے رہو۔ ممکن ہے۔ کہ تم میں سے کسی کی دعا قبول ہو جائے۔ اور یہ موجودہ فتنہ دور ہو جائے اس رمضان سے بہت سے فوائد حاصل کر کے گذرو۔ اور خدا تعالیٰ کی عبادت کرو۔ جب تمہارے ذریعہ خدا تعالےٰ کا نام روشن ہوگا۔ اور تم اس کے دروازے پر جھک جاؤگے۔ تو کوئی تمہیں تباہ نہیں کر سکے گا۔ اور اگر تم اس کے دروازے سے ہٹ جاؤگے۔ تو اس کو بھی تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ وہ کسی اور قوم کو کھینچ لیگا کیونکہ وہ ہمارا محتاج نہیں۔ بلکہ ہم اس کے محتاج ہیں ایک باغبان باغ میں درخت لگاتا ہے لیکن جب بے پھل درخت ہوتا ہے۔ اسکو کاٹ دیتا ہے۔ تاکہ وہ بے فائدہ جگہ کو نہ گھیرے

رہے۔ اور پھر وہ جلانے کے کام آتا ہے۔ تو یہ باغ مسیح موعود علیہ السلام نے لگایا ہے۔ اگر یہ پھل نہ دیگا۔ تو اور باغ لگایا جائیگا۔ پس جو کوئی اس باغ میں بے پھل کھڑا ہے۔ اس کو بہ نسبت اُس کے جو کہ جنگل میں کھڑا ہے زیادہ ڈرنا چاہئیے۔ کیونکہ جنگل میں بے پھل اور خاردار درخت بھی کھڑے رہ سکتے ہیں۔ لیکن باغ میں سے ایسے درختوں کو ضرور کاٹ دیا جاتا ہے۔ تم اس باغ کے درخت ہو۔ تمہارے لئے اوروں کی نسبت زیادہ خطرے کی بات ہے۔ اس لئے جو کوئی تم میں سے اپنے اندر بے پھل یا خاردار درخت کی ایسی خصلتیں دیکھتا ہے۔ وہ تبدیلی پیدا کرے۔

تم روزوں میں خاص طور پر خدا تعالےٰ کی عبادت میں لگجاؤ۔ تاکہ تمہارے لئے عید خوشی کا موجب ہو۔ عید کی تمہیں اس لئے خوشی نہ ہو کہ اس دن کھاؤ پیوگے بلکہ اس لئے کہ اس دن خدا کی خاص رحمتوں کے پھل اور میوے کھاؤگے عید کا دن تمہارے لئے اسلئے خوشی کا دن نہ ہو۔ کہ دوستوں عزیزوں سے ملوگے بلکہ اسلئے کہ خدا کی اور مخلوق اس دن تم سے مل جائے۔

یہ بہت بابرکت مہینہ ہے۔ جو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے گا۔ اُس پر خدا تعالیٰ کی بڑی بڑی برکتیں اور رحمتیں نازل ہونگی۔

خطبۂ جمعہ

فرمودہ ۷ / اگست ۱۹۱۴ء

مسلمانوں کے تنزل اور افتراق کا سبب نمازِ جمعہ کا ترک کرنا ہے

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ۔ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ط

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم فرما کر اور ان کی حالت کو مدنظر رکھ کر ترقی دینے

کے لیئے قواعد مقرر کر سکتے ہیں۔ بہت سے انسان بھی قواعد بناتے ہیں۔ لیکن خدا
کے قواعد کے مقابلہ میں انسانی قواعد کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ کیونکہ انسان لاعلم
اور آئیندہ کے واقعات سے بے خبر۔ انسانی فطرت سے ناآشنا۔ انسانی فطرت
کے اختلافات سے ناواقف انسانی جذبات سے بے علم ہوتا ہے۔ اسلئے اسے یہ نہیں
معلوم ہوتا۔ کہ لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی اصلاح کیلئے کونسے قانون اور قواعد
مفید ہو سکتے ہیں۔ اگر تمام دنیا کے لوگ یکساں خیالات یا ایک ارادہ یا ایک ہی جیسے جذبات
رکھتے ہوں۔ اور پھر دنیا میں ایک ہی ایسے واقعات ہر روز پیش آتے رہیں تو بیشک
ایک انسان کے قواعد کام دے سکتے ہیں۔ لیکن انسانی حالت میں بہت زیادہ
اختلافات ہیں۔ ہر ایک واقعہ آنے والے تغیرات کا منتظر ہوتا ہے آج کے خیالات کل
کے خیالات کے خلاف ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور کچھ پتہ نہیں لگتا۔ کہ ایک منٹ یا ایک
سیکنڈ میں اور کیا خیالات ہو جائینگے اور دوسرا لمحہ انسان پر کیسا گذریگا۔ تو جب
صورت حال یہ ہے۔ تو کسی کو کیا معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ انسانی حالت ایک دن
دو دن سال دو سال میں کیا کچھ تغیر پذیر ہوگی۔ اور کہاں کی کہاں نکلجائیگی۔ یہی
وجہ ہے کہ انسانوں کے مقرر کردہ قواعد اور ضوابط میں نت نئے تغیرات کی ضرورت لاحق
ہوتی ہے لیکن خدا تعالیٰ نے جو طریق اور رستے انسانی ترقی اور ہدایت کے بتائے ہیں
وہ کبھی نہیں بدل سکتے کیونکہ اس نے انسان کی ہر ایک حالت کو مدنظر رکھ کر اخذ
کئے ہیں۔ تو انسان کی ترقی کے لیئے حقیقی اور کامل وہی راہ ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے
بتائی ہے۔ اور اسی پر چل کر انسان کامیاب ہو سکتا ہے۔ لیکن جب انسان اُس
کے خلاف کرتا ہے۔ تو بڑی بڑی ٹھوکریں کھاتا ہے اور شریعت کے چھوٹے سے
چھوٹے حکم کی خلاف ورزی کرنیکی وجہ سے بھی تباہ ہو جاتا ہے۔

شریعت حقہ کی پہچان

اگر کوئی دنیا میں ایسی شریعت ہے۔ کہ اس کے احکام کو ترک کر کے کوئی کامیاب ہو سکتا ہے تو وہ الٰہی شریعت نہیں ہو
الٰہی شریعت وہی ہو سکتی ہے کہ جب کوئی انسان اُسکو چھوڑے تو وہ ذلیل اور خوار ہو جاوے
ایک سچی اور جھوٹی شریعت کا معیار یہی ہے۔ وہ شریعت ...

جھوٹی ہے۔ یا اگر کبھی سچی تھی۔ تو اب اس میں اور باتیں مل گئی ہیں۔ یا لوگوں کی دست برد سے محفوظ نہیں ہے۔ جسکے احکام چھوڑ نے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اور سچا ادری کی صورت میں فائدہ نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلہ میں حقیقی اور سچی اور تغیر و تبدل سے محفوظ وہ شریعت ہے۔ کہ جس کے چھوٹے سے چھوٹے حکم کے انکار کی وجہ سے بھی کبھی کوئی شکھ نہیں پاسکتا۔ اسی معیار کے ماتحت اسلام اور دوسرے مذاہب کا فیصلہ ہوسکتا ہے۔ کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ اگرچہ یہ ایک الگ مضمون ہے۔ کہ اسلامی احکام کے چھوڑنے کی وجہ سے کیا کیا بد نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اور کیوں دوسرے مذاہب کے احکام کے چھوڑنے سے بد نتائج پیدا ہونے تو الگ رہے مجبوراً چھوڑنے پڑتے ہیں۔ اور چھوڑنے میں فائدہ ہوتا ہے اس وقت میں اس مضمون سے قطع نظر کرکے اس موضوع کو بیان کرتا ہوں۔ جس کے متعلق میں نے آیت پڑھی ہے +

ایک اہم مسئلہ یہاں قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے ایک حکم بیان فرمایا ہے جو یہود کو دیا گیا تھا۔ اور جو بظاہر چھوٹا سا معلوم ہوتا ہے۔ یہی حکم مسلمانوں کو بھی دیا ہے۔ لیکن آج کل مسلمان اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہی تو وجہ ہے۔ کہ یہ دن بدن ذلیل ہوتے جارہے ہیں +

مختلف شریعتوں میں ہفتے میں ایک دن خاص عبادت کا مقرر ہے۔ گو اس میں اختلاف ہے۔ کیونکہ شمسی حساب رکھنے والی قوموں نے اتوار کا دن مقرر کیا ہے۔ یہودیوں میں ہفتے کا دن مانا جاتا ہے۔ عیسائیوں میں بھی ابتداء میں ہفتہ ہی مانا جاتا تھا۔ لیکن جب روما کے اُمراء ان میں داخل ہوئے۔ تو چونکہ وہ سورج کی پرستش کرتے تھے۔ اسلئے عیسائیوں نے بھی ان کی خاطر ہفتہ کو چھوڑ کر اتوار مقرر کر لیا۔ اب تک بھی عیسائیوں میں ایسے فرقے موجود ہیں۔ جو کہ ہفتہ کو ہی خاص دن کہتے ہیں مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن عبادت کے لئے خاص طور پر رکھا ہے تو تمام مذہب والوں کا اس پر اتفاق ہے۔ خواہ وہ ویدک دھرم ہوں۔ یا یہودی ہوں۔ یا عیسائی ہوں۔ یا مسلمان ہوں۔ تمام میں ایک دن ایسا رکھا گیا ہے جو کہ خدا تعالےٰ کی عبادت کیلئے مخصوص ہے۔ تو اسقدر ہونے میں ایک دن عبادت کے لئے

مخصوص ہے۔ تو اس قدر ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لئے مقرر کرنے پر خصوصیت سے تمام مذاہب کا اجتماع ہونے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس میں بھی کوئی بڑی خاص اہمیت ہے۔ ورنہ فروعات میں تو بڑے بڑے تغیرات ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا حکم ہے۔ جو بظاہر لوگوں کی نظروں میں بڑا معلوم نہیں ہوتا لیکن کل شریعتوں کو اس پر اتفاق ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک یہ بڑا اہم مسئلہ ہے۔

اسلامی سبت جس طرح مختلف مذہبوں میں اس دن کی تخصیص میں اختلاف ہے۔ اسی طرح عبادت اور اس دن سے فوائد حاصل کرنے میں بھی فرق ہے۔ لیکن اسلام نے جو طریق رکھا ہے۔ وہ سب سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ اس دن ایک نماز رکھی ہے۔ تاکہ سب لوگ اس میں شامل ہوسکیں۔ دیگر مذاہب نے اس خاص دن کے متعلق مختلف اصول مقرر کئے ہیں۔ لیکن جس خوبی سے اسلام نے اسکی غرض اور غایت کو پورا کرنے کا طریقہ رکھا ہے۔ اور کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسلام نے پہلے روزانہ پانچ وقت ایک جگہ جمع ہونے کیلئے حکم دیا۔ پھر ہفتے میں ایک دن ایسا رکھا۔ کہ تمام شہر کے اور اردگرد کے لوگ ایک جگہ جمع ہوجائیں پھر ایک عید کا دن رکھا تاکہ قریب قریب کے گاؤں کے لوگ ہی نہ بلکہ دور کے بھی اس میں شامل ہوں۔ پھر حج کا ایک وقت سال میں مقرر کیا۔ تاکہ تمام دنیا کے مسلمان ایک جگہ جمع ہوں۔ تو اس طرح ایک چھوٹے سے اجتماع سے چلا کر بڑے بھاری اجتماع پر پہنچا یا۔ اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آیا دنیاوی حکومتوں میں بھی اس کا کوئی نمونہ پایا جاتا ہے یا کہ نہیں تو ہم یہ پاتے ہیں کہ اوّل قصبوں اور شہروں میں چند آدمیوں کو چنکر ایک میونسپل کمیٹی بنائی جاتی ہے۔ پھر اس سے اخذ کرکے ڈسٹرکٹ بورڈ بنتا ہے پھر اسی طرح بڑھتے بڑھتے صوبہ کی کونسل تک معاملہ پہنچ جاتا ہے۔ تو اسلام نے اسی اصل کو مدنظر رکھکر پہلے تھوڑے لوگوں کو پانچ وقت جمع ہونے کا حکم دیا۔ پھر کچھ زیادہ آدمیوں کے لئے ہفتے میں ایکدفعہ اجتماع رکھا۔ پھر اس سے زیادہ لوگوں کیلئے دو دفعہ اجتماع کا وقت مقرر کیا پھر سال میں

ایکدفعہ مگر ساری دُنیا کی اطراف سے آئے ہُوئے لوگوں کے شامل ہونے کیلئے موقع رکھا۔

سبت کی بے ادبی

اس طرح کرنے سے فائدہ کیا ہُوا۔ اور کیوں اس طرح کیا۔ اس کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ کچھ لوگ تھے جنہوں نے ہمارے مقرر کردہ قواعد کے خلاف کیا۔ اور جو دن ہم نے ان کی عبادت کے لئے مقرر کیا تھا۔ اُس کا انہوں نے ادب نہ کیا۔ اسلئے ہم نے ان کو ذلیل بندر کی طرح کر دیا۔ بندر کیوں ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ اسلئے کہ اسکی خود کوئی حیثیت نہیں ہوتی جسطرح اس کو نچانے والا نچاتا ہے۔ اسی طرح وُہ ناچتا ہے اور جس طرح وُہ انسانوں کو کرتے دیکھتا ہے۔ اس کی نقلی اُتارتا ہے۔ خود اُسے کچھ سمجھ اور عقل نہیں ہوتی۔ ایک کہانی مشہور ہے۔ کہ ایک شخص ٹوپیوں کی دکان کیا کرتا تھا۔ اور اُس نے خود بھی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ ایکدن جو وُہ ٹوپی پہنے ہی سو گیا۔ تو بندروں نے اُسکی تمام ٹوپیاں لیکر اپنے سروں پر پہن لیں۔ اور درختوں پر چڑھ گئے وُہ بیچارہ بہتیرا ٹوپیوں کے واپس لینے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن ناکام رہا۔ اگر وُہ نیچے سے پتھر مارتا۔ تو وُہ اوپر سے پھل اُتار کر پھینکتے۔ اور جسطرح وُہ کرتا۔ اسی طرح وُہ بھی کرنے جاتے آخر اُس نے اپنے سر کی ٹوپی اُتار کر زمین پر پھینک دی۔ یہ دیکھ کر تمام بندروں نے بھی ٹوپیاں سروں سے اُتار کر پھینک دیں۔ اور اُس نے اٹھالیں۔ تو یہ بندریں دوسرے تمام جانوروں سے خصوصیت ہوتی ہے۔ کہ ہر ایک بات کی نقل بڑی جلدی اتارتا ہے مگر اس کی اصلیت سے بالکل ناواقف ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ یہود نے اس دن کا ادب کرنا جو چھوڑ دیا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ اُن کے پاس صرف شریعت کی نقل رہ گئی ہے۔ اور اصل اُڑ گیا۔ اصلح وحدت اتفاق اور اتحاد کو انہوں نے ترک کر دیا۔ اور بناوٹی اتحاد اور صلح ان میں رہ گئی۔

مسلمانوں کی حالت

کونوا قردۃ خاسئین سے آجکل کے مسلمانوں کو یہ مناسبت ہے۔ کہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ حج کرتے ہیں۔ لیکن یہ ان کا سب کچھ بندر کی حرکات سے زیادہ وقعت نہیں

رکھا۔ مسلمانوں پر اسی وقت سے مصیبت اور تباہی نازل ہوئی ہے جب سے
کہ اُنہوں نے جمعہ کو چھوڑا ہے۔ اوّل تو اکثر حصہ مسلمانوں کا جمعہ پڑھتا ہی نہیں
اور جو پڑھتا ہے۔ وہ بعد میں احتیاطی پڑھ لیتے ہیں۔ کہ شاید جمعہ کی نماز ہوئی بھی ہے
یا نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا ایک دوست شیخ غلام نبی کا تھا۔
اُس نے ہمارے ساتھ ایک گاؤں میں جمعہ پڑھا۔ وہ وہابی تھا۔ اور وہابی جمعہ
پڑھنے کے قائل ہوتے ہیں لیکن اُس نے جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد چار رکعتیں اور
پڑھیں ہم نے اس سے پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا ہے۔ تو وہ کہنے لگا۔ کہ احتیاطی پڑھی ہے
لیکن لوگ تو اسلئے احتیاطی پڑھتے ہیں کہ نماز نہیں ہوئی۔ اور میں نے اسلئے پڑھی
ہے کہ مار نہ پڑے۔ کیونکہ ایسا نہ کرنیوالے کو یہ لوگ مارتے ہیں تو یہ حال
ہے مسلمانوں کا۔ اوّل تو انہوں نے جمعہ کو ترک ہی کر دیا اور پھر جو پڑھتے ہیں انہیں
مار پڑنے کا ڈر ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں وحدت اتحاد اور یکجہتی
قائم نہیں رہی اور یہ بھی فوائد سے محروم ہو گئے ہیں اور دن بدن ذلیل ہوتے جاتے ہیں ؛

اتحاد کی برکات

اتحاد میں خدا تعالےٰ نے بڑی بڑی عظیم الشان حکمتیں رکھی ہیں۔
لیکن اب مسلمانوں میں سے کون روزانہ مسجدوں میں آتا ہے
آئے دن سُنا جاتا ہے کہ فلاں جگہ مسجد میں کتیا نے بچے دئے۔ فلاں جگہ کسی نے پاخانہ
کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ جب انسان مسجدوں میں داخل نہ ہوں۔ تو پھر مسجدیں درندوں
اور پرندوں کا بسیرا نہ بنیں۔ تو کیا بنیں؟ امراء مسجدوں میں آنا گناہ سمجھتے ہیں۔
اور کہتے ہیں کہ کیا ہم کسی ادنےٰ درجہ کے آدمی کے ساتھ جا کر کھڑے ہوں۔ جمعہ تو
اس طرح چھوٹا۔ باقی رہا حج۔ امیر لوگ تو حج کو جاتے ہی نہیں۔ غربا جاتے ہیں۔ جو
بجائے کسی قسم کا فائدہ حاصل کرنے کے بے ایمان ہو کر آتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے
کہ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ حج کو جاؤ۔ وہ تو جاتے نہیں اور جن کو حکم نہیں
وہ جاتے ہیں تو نہ جانے والوں کا اسلئے ایمان ضائع ہو جاتا ہے کہ وہ حکم کی تعمیل
نہیں کرتے۔ اور دوسرے حکم عدولی کرتے ہیں۔ اسلئے ان کو ابتلاء پیش آتے

ہیں۔ اور ذلیل خوار ہو کر واپس آتے ہیں۔ اجتماع کا حکم مسلمانوں کیلئے ایک ضروری حکم تھا لیکن انہوں نے اعتدوا منکم فی السبت کیا۔

سبق عبرت یہود کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کر کے آئندہ آنیوالوں کے لئے ایسا عبرت بخش سبق رکھ دیا جو کہ متقیوں کے لئے نصیحت کا سامان ہو سکتا ہے۔ آج تک یہودیوں کو شکھ نصیب نہیں ہوا۔ سو یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کا چھوٹے سے چھوٹا حکم بھی دراصل بہت بڑا حکم ہوتا ہے۔ بھلا اتنے بڑے بادشاہ کا کوئی حکم چھوٹا ہو سکتا ہے۔ بہت لوگ ہیں جو جمعہ کی نماز پڑھنے میں لاپرواہی کرتے ہیں۔ اور جو پڑھتے ہیں وہ احتیاط نہیں کرتے مسجد میں باتیں کرتے رہتے ہیں اور جو باتوں کی جرأت نہیں کرتے۔ وہ اشاروں سے کام لیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اعتدا فی السبت ہی ہے۔ یہ اجتماع تو اس لئے رکھا گیا ہے۔ کہ سب اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کی حالت کو دیکھیں۔ اور خطیب جو کچھ ضروریات اور حالات کو مدنظر رکھکر کہے۔ اس سے نصیحت اور فائدہ حاصل کریں *

دعا اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے۔ کہ ان احکام پر چلیں اور صرف چلیں ہی نہ بلکہ ان کے اصل مغز تک پہنچ جائیں۔ جمعہ تو بہت لوگ پڑھتے ہیں مگر جو اسکی غرض اور غایت ہے۔ یعنی اتحاد اور روحانی ترقی خدا کرے۔ کہ وہ ہمیں حاصل ہو۔ اور ہم خدا تعالیٰ کے انعامات کے مورد ہوں *

خطبہ جمعہ

احکامِ الٰہی پر کثرتِ سوال نیکی سے محروم کرتا ہے

فرمودہ ۱۴ اگست ۱۹۱۴ء

حضور نے سورہ بقرہ رکوع آٹھ واذ قال موسیٰ لقومہٖ ان اللّٰہ یأمرکم ان تذبحوا بقرۃ ط الاٰخر الرکوع پڑھ کر فرمایا۔ ایک ادب کا طریق اللہ تعالیٰ نے

مسلمانوں کے لئے بیان فرمایا ہے :-

انسان بہت سے سوال کر کے اپنے آپ کو مشکل میں ڈال لیتا ہے یہاں فرمایا ہے۔ ایک گائے کے ذبح کرنے کا یہود کو حکم دیا گیا تھا انہوں نے بجائے اس کے کہ حکم کی تعمیل کرتے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا۔ کہ تم ہم سے ہنسی کرتے ہو۔ اور بات کو قہقہہ لگا کر ہنسی میں ٹال دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ ہنسی کرنا جاہلوں کا کام ہے کیا میں جاہل ہوں؟ انہوں نے کہا پھر آپ بیان کریں کہ گائے کیسی ہو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ درمیانہ عمر کی ہو۔ نہ بوڑھی ہو نہ بچہ۔ پھر انہوں نے سوال کیا کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اس کا رنگ نہایت عمدہ ہو۔ اور وہ خوبصورت گائے ہو۔ کہا کیسی گائے ہو فرمایا کہ وہ گائے کام میں نہیں لگائی گئی بے داغ ہے نہ ہل چلاتی ہے نہ کھیتی کو پانی پلاتی ہے۔ پھر انہوں نے اسے ذبح کیا لیکن عذر معذرت برابر کرتے رہے اور مشکل سے اس حکم پر عمل کی توفیق ملی۔

مسلمانوں کو اس سے یہ بتلایا کہ تمہارے لئے بھی احکام نازل ہونگے تم بہت سوال مت کیا کرنا۔ کہ جی یہ کام ہم کیوں کریں۔ اس میں کیا حکمت ہے اور اس کے شرائط کیا کیا ہیں۔ یہ ایسا کیوں ہے ایسا کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس بات کی ضرورت ہوگی۔ میں خود بیان کر دونگا۔ تم اگر خود شرائط بڑھاؤ گے اور سوال کرو گے۔ تو تم کو دقتوں کا سامنا ہوگا۔ اور تم مشکلات میں پڑ جاؤ گے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں دن کو روزہ رکھتا۔ اور رات کو قیام کیا کرتا تھا۔ نبی کریم صلعم نے یہ معلوم ہونے پر مجھے طلب فرمایا۔ اور فرمایا کہ یہ طریق ٹھیک نہیں ہے۔ ایک ماہ میں تین روزے رکھا کرو۔ اور پھر افطار کیا کرو۔ میں نے عرض کیا۔ میں اپنے اندر اس سے زیادہ طاقت پاتا ہوں آپ نے فرمایا۔ پھر نبی اللہ داؤد کا روزہ رکھا کرو۔ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کیا کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ میں اپنے اندر اس سے زیادہ طاقت پاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں! اس سے بہتر کوئی روزہ نہیں ہو سکتا پھر جب میں بوڑھے ہو گئے۔ تو

ان کو طاقت نہ تھی۔ کہتے ہیں۔ پھر میں کہا کرتا تھا۔ کاش! میں نبی کریم صلعم کا حکم مان لیتا۔ اور سوال نہ کرتا۔ لیکن اب مجبور ہوں۔ کہ نبی کریم صلعم سے وعدہ کر چکا ہوں۔ اسلئے چھوڑ نہیں سکتا۔

جنگ احد میں جانے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ ایک گائے ذبح کیگئی ہے۔ (یہاں بھی ان تذبحو البقرۃ ہے) دوسرے یہ دیکھا کہ میری تلوار میں کچھ نقص ہے اور میں نے ایک مضبوط ذرع پر ہاتھ رکھا ہے اسکی تعبیر آپ نے کی کہ چند صحابہ مارے جائینگے۔ اور جنگ میں کوئی میرا رشتہ دار بھی مارا جائے گا۔ اور وہ ذرع مدینہ منورہ ہے۔ پھر آپ باہر تشریف لائے۔ اور صحابہ کو فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ اندر بیٹھکر ہی دشمن کا مقابلہ کریں۔ نوجوان صحابہ نے یہ بات نہ مانی اور عرض کیا ہم باہر نکلکر لڑینگے کیونکہ لوگ ہمیں بزدل کہیں گے۔ آخر آپ صحابہ کے اصرار پر باہر نکلے۔ پھر صحابہ کو خیال آیا۔ کہ ہم نے آپ کو مجبور کیا ہے۔ ایسا نہ ہو اس کا کوئی بد نتیجہ نکلے۔ پھر آپس میں مشورہ کر کے نبی کریم صلعم کے حضور عرض کیا کہ ہم نے حضور پر بہت زور دیا ہے۔ حضور اب واپس تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا۔ نبی ہتھیار باندھ کر نہیں رکھا کرتے۔ بالآخر نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بہت سے صحابہ فتح ہونیکے بعد ذبح (شہید) ہوئے۔ اور نبی کریم صلعم کے رشتہ دار بھی شہید ہوئے۔ اگر شہر میں رہتے تو تیسری بات بھی پوری ہو جاتی۔

غرض بہت سوال پیش کرنے دکھ کا موجب ہوتے ہیں جو شریعت کا حکم ہو یا نبی حکم دے۔ وہ کرو۔ زائد بات مت طلب کرو۔ کہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ کہ آپ مانگ کر کسی عہدہ کو لینے والے کے سپرد کوئی عہدہ نہ کرتے کیونکہ آپ جانتے تھے۔ کہ اسے کبھی اس کو پورا کرنے کی توفیق نہیں ملیگی۔ آپ تو فطرت انسانی کا بڑا مطالعہ رکھنے والے تھے۔

خدا تعالیٰ جب آسانی دے۔ وہ خود اپنے لئے کیوں تنگی اختیار کرے؟ دینے والا دیتا ہے تم اس کے لینے سے کیوں انکار کرتے ہو؟ مسلمانوں کو

اللہ تعالےٰ نے سفر میں روزے نہ رکھنے اور نماز کے قصر کرنے کی اجازت دی۔ لیکن اُنہوں نے روزے رکھے۔ اور نمازیں قصر نہ کی۔ بالآخر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو مشکلات پڑ گئیں۔ اور سرے سے ہی روزے اور نماز کو ہی ترک کر دیا نہ گھر میں نہ باہر نماز پڑھی نہ روزے رکھے یہ اجازت پر عمل نہ کرنے اور خود ساختہ شرائط پر چلنے کا نتیجہ ہے۔ بیحیا کا کام ہوتا ہے۔ کہ جو کام (خواہ وہ کیسا اچھا ہو) وہ نہ کرے اُس کو کہہ دیتا ہے۔ کہ لغو ہے۔ اور اُس کے نہ کرنے پر پھر فخر کرتا ہے۔ زائد بات کیلئے کبھی سوال مت کرو۔ ورنہ یہود جیسی حالت ہو جائیگی۔ صوفیا نے لکھا ہے کہ یہ ان کے "انشاء اللہ" کہنے کا نتیجہ تھا کہ انکو توفیق ملی۔ ورنہ انہیں بالکل توفیق نہ ملتی ۔

تم تو یاد رکھو۔ کہ دین کا کام ہو دنیا کا ہو۔ جتنا آسانی سے کر سکو کرو شریعت کے حکم سے زائد حکم اپنے اوپر مت ڈالو۔ باہر سے ایک جگہ سے رپورٹ آئی چندوں کے متعلق کہ یہاں کے لوگ کیا کرتے ہیں۔ کہ چندے بہت بہت لکھواتے ہیں پھر ایک دو ماہ ادا کیا۔ اور بس۔ جب چھ ماہ گذر گئے تو اُن کو اکٹھا کر کے کہا گیا تو کہا اچھا پچھلا تو جانے دو۔ اور اب آئندہ کیلئے لکھواؤ۔ جب لکھوانے کا وقت آیا تو کہا بھئی خوب بڑے بڑے چندے لکھواؤ۔ تھوڑے نہیں لکھوانے چاہئیں لیکن ادائیگی کے وقت پھر وہی حالت۔ حضرت عائشہؓ نبی کریم صلعم کی نسبت روایت کرتی ہیں کہ آپ صلعم کو ہمیشہ وہی بات پسند تھی۔ جو تھوڑی ہو لیکن اس میں دوام ہو۔ تو تم جو کام اپنے ذمہ لو اتنا لو۔ جو آسانی سے کر سکو۔ اور اس میں دوام ہو زیادہ کرو۔ تو تمہارے لئے زیادہ ثواب کا موجب ہوگا۔ اور اگر تم بہت بڑا کام اپنے ذمہ لو۔ یا ایک بڑے کام کا عہد کر لو۔ اور اُسے کرو نہیں۔ تو یہ تمہارے لئے عذاب کا باعث ہوگا۔ اور تم الزام کے نیچے ہو۔

یہ قصہ اللہ تعالےٰ نے انہیں سنایا۔ یہ تمہیں عمل کے لئے سنایا ہے۔ جتنا تمہیں حکم ملے۔ وہ کرو۔ زائد سوال مت کرو۔ یہود کو حکم دیا تھا۔ کہ گائے ذبح کرو۔ انہیں چاہیئے تھا۔ کہ وہ ایک خوب موٹی تازی گائے لیکر ذبح کر دیتے۔ وہ ثواب کے مستحق ہوتے۔ لیکن انہوں نے خود اپنے اوپر

قید بڑھائی۔ فرمایا قریب تھا۔ کہ وہ نہ کرتے۔

تو تم اپنے لئے سہولت اختیار کرو۔ اور جو کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے اُسے پوری طرح ادا کرو ٭

دعا | اللہ تعالےٰ نے توفیق دے کہ جو احکام ہمارے لئے مقرر ہیں ہم انہیں پورا کریں۔ اور جو وعدے کریں۔ اُس سے بڑھ کر اُن کا ایفاء کریں (آمین ثم آمین)

خطبہ جمعہ

فرمودہ ۲۰ اگست ۱۹۱۴ء

عہد کو پورا کرنا قربانی ہے

اور

ہر ترقی قربانی چاہتی ہے

واذا سألك عبادی عنّی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعانِ فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلّھم یرشدون۔

آج میرا ارادہ تھا کہ ایک نہایت ضروری معاملہ کی نسبت تفصیل سے سناؤں چونکہ میری طبیعت کچھ اچھی نہیں ہے۔ اس لئے مختصر طور پر کچھ باتیں سنا دیتا ہوں ٭

ہر ایک ترقی قربانی چاہتی ہے | ہر ایک ترقی جو دنیا میں ہوتی ہے۔ وہ کچھ قربانی چاہتی ہے۔ کوئی قوم آج تک ترقی کی منزل پر نہیں پہنچی۔ جب تک اس نے کچھ قربانی نہیں کی ٭

ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالےٰ کو کتنا محبت پیار تھا حتیٰ کہ فرما دیا۔ ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اگر اللہ تعالےٰ سے محبت کرتے ہو۔ تو اس کے ملنے کا ایک ہی طریق ہے کہ تم میری پیروی کرو تم خدا تعالےٰ

کے محبوب ہو جاؤ گے۔ لیکن آپ کو بھی مسلمانوں کو ترقی دینے کے لئے قربانیاں کرنی پڑیں۔ اپنا وطن ترک کیا۔ اپنے عزیز اور اپنے پیارے خادم قربان کرنے پڑے۔ پھر کسی کا باپ اور کسی کا بیٹا اور کسی کا بھائی قربان ہو گئے پھر اللہ تعالےٰ نے ان کو ترقی دی ۔

قربانیاں دو قسم کی ہیں قربانیاں دو قسم کی ہوا کرتی ہیں۔ ایک وہ جو انسان خود کرتا ہے۔ اور ایک وہ جو خود نہیں کرنی پڑتیں۔ بلکہ جب مامور آتا ہے۔ اور لوگ اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور ہنسی کرتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں ۔ کہ ہم بڑے ہیں۔ اور تم رذیل ہو ہم تمہارے متبع کس طرح ہو جائیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی پیاری جماعت کو بڑھانے کیلئے قربانی کرتا ہے۔ تب بیماریاں آتی۔ زلزلے اور قحط پڑتے ۔ لڑائیاں ہوتی ہیں اس وقت وہ خود سر لوگ گھٹنوں کے بل گرا دیئے جاتے ہیں ۔ اور خدا کی مشیت بتلا دیتی ہے کہ جس شخص کی مخالفت تم نے کی وہ سچا ہے ۔

یہ بھی ایک مامور کا زمانہ ہے اس زمانہ میں بھی اس قسم کی قربانیاں چاہئیں ۔
ایک قربانی تو ہماری طرف سے چاہیئے۔ اور ایک قربانی خدا تعالیٰ کیطرف سے ہے ۔
ہماری طرف سے یہ قربانی ہوگی۔ کہ جو عہد ہم نے اللہ سے کیا تھا۔ اس کو ہم ثابت کر دیں ۔ کہ وہ بالکل سچا تھا ۔ اور اس کے لئے ہمیں جو قربانی بھی کرنی پڑے ہم کریں ۔

اور ایک قربانی خدا کرے گا تاکہ وہ اپنے رسول کو سچا ثابت کر دے اور بتا دے کہ وہ جو قلیل جماعت کو برا کہتے ہیں ۔ اور ان کو رذیل سمجھتے ہیں ۔ ان کا غلو ٹوٹے ۔ اور ان کو معلوم ہو کہ یہ سچ ہے ۔

خدا کی طرف سے وہ قربانی شروع ہو چکی ہے طاعون آئی ۔ اور خطرناک طور پر آئی ۔ اور زلزلے بھی آئے ۔ وہ زلزلے تو دنیا کے کسی کسی حصہ پر آتے تھے ۔ مگر اب جو زلزلہ آیا ہے ۔ اس نے تمام دنیا کو پکڑ کر ہلا دیا ہے اور وہاں

ہزاروں نہیں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں قربانیاں ہو رہی ہیں۔ دُنیا اپنے مال و دولت پر گھمنڈ کرتی تھی۔ کہ ہمیں اب کسی کی پرواہ کیا ہے۔ خدا نے ان کا یہ گھمنڈ دُور کرنا ہے +

خدا نے قربانی کر دی اب تم اپنا فرض ادا کرو

پس اس وقت میں تمہیں اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ خدا تعالےٰ نے قربانی کر دی۔ خدا تعالےٰ مدتوں سے قربانیاں کر رہا ہے۔ اس نے ہمارا اتنا انتظار فرمایا ہے +

تم اب قربانی کرو۔ ہم میں ابتک بہت ہیں۔ جنہوں نے اب تک کوئی قربانی نہیں کی۔ خدا تعالےٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ تم اپنا وعدہ پورا کرو تا تم پر انعام ہوں اور تمہیں ترقی ملے۔

گورنمنٹ سے عہد وفاداری پورا کر دکھاؤ!

جنگ میں فاتح و مفتوح دونوں چور ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان سے جنگ ابھی بہت دُور ہے۔ لیکن یہاں بھی اس کا اثر تجارت پر اور دیگر اشیاء پر پڑ رہا ہے۔ تو میں تمہیں بتلاتا ہوں۔ کہ اوّل تو تم نے جو عہد اللہ سے کیا ہوا ہے اُسے پورا کرو۔ دوسرے ایک عہد ہے جو حضرت مسیح موعود نے اپنی تمام جماعت سے لیا ہوا ہے۔ وہ یہ ہے۔ اس گورنمنٹ سے وفاداری رکھنا۔ عہد کرنے تو آسان ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کا نبھانا مشکل۔ اس وقت ہماری گورنمنٹ مشکل میں ہے۔ اور یہی ایک موقعہ ایسا آیا ہے۔ کہ ہم اپنے عہد کو پورا کرکے دکھلائیں۔ اس میں صرف ہماری صداقت ہی نہیں۔ بلکہ حضرت مسیح موعودؑ کی اس تحریر کی بھی صداقت ہے۔ جو آپ نے گورنمنٹ کو لکھا تھا۔ کہ مشکل کے وقت گورنمنٹ دیکھ لے گی۔ کہ اس وقت جو رعایا اپنا مذہبی فرض سمجھ کر وفادار ہوگی۔ وہ یہی جماعت احمدیہ ہوگی اسلئے تمہیں ضروری ہے۔ کہ اس عہد کو جسطرح بھی ہو سکے۔ پورا کرنے کے لئے ہر ممکن سے ممکن کوشش کرو۔ اور جو عہد تم نے مسیح موعودؑ کے ساتھ کیا تھا۔ اُسے پورا کرنے کے لئے گورنمنٹ کی جسطرح بھی ہو سکے۔ مدد کرو۔ یہ دو باتیں

ہیں تیسری بات یہ ہے کہ :-

دُعاؤں میں لگ جاؤ

فاتح و مفتوح دونوں قوموں کو نقصان پہنچتا ہے۔ بعض دفعہ ایک قوم بظاہر فاتح معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت وُہ قوم اپنی حالت کے لحاظ سے مفتوح ہوتی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا۔ تم خصوصیت سے دعا کرو۔ کہ جو کچھ بھی ہو۔ اللہ تعالےٰ اس جنگ سے اسلام کیلئے کوئی بہتر صورت پیدا کر دے ۔

یہ جنگ ساری دُنیا سے نرالی جنگ ہے۔ تمام انبیاء نے اس کے لئے پیشگوئیاں کیں۔ اور پھر حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اس کے لئے پیشگوئی فرمائی۔ یہ تمام انبیاء کا پیشگوئیاں کرنا اور یہ حشر کوئی لغو نہیں۔ یہ جنگ ایک عظیم الشان جنگ ہے۔ آج تک دُنیا میں کوئی ایسی جنگ نہیں ہوئی۔ ہم نہیں جانتے اس جنگ سے دین کے لئے کیا نتیجہ نکلے ۔

تو تم آج ہی دعاؤں میں لگ جاؤ۔ جو اس کا نتیجہ ہو۔ اللہ تعالےٰ اُسے دین اسلام اور ہمارے سلسلہ کیلئے عمدہ اور بہتر نتیجہ بنا دے۔

اگر لوگ دین کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ تو ہمارے پاس کوئی ایسی تدبیر نہیں کہ جس سے ہم ان کو دین کی طرف متوجہ کر لیویں۔ خدا تعالیٰ اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے فرماتا ہے :-

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ۔ جب میرے بندے گھبرا جائیں اور انہیں کوئی صورت ایسی نہ ملے۔ جس سے انہیں اطمینان حاصل ہو تو میرے حضور دعا کریں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کو جب وُہ دعا کرے تو قبول کرتا ہوں۔ تو تم دعاؤں میں لگ جاؤ۔ اور گورنمنٹ سے وفاداری کرو۔

یہ ایک آزمائش ہے

یہ وقت ہماری صداقت اور حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے پرکھنے کا آیا ہے۔ یہ ایک آزمائش کا وقت ہے تم ہر ممکن سے ممکن کوشش سے گورنمنٹ کی خدمت کرو۔

ہم گورنمنٹ کی کیا امداد کریں

ایک جاہل سے جاہل اور اجڈ انسان بھی گورنمنٹ کی خدمت کر سکتا ہے۔

ایک آدمی گھر سے باہر اس حالت میں رہ کر کام کر سکتا ہے۔ جب اسے اس بات کا اطمینان ہو۔ کہ میرے گھر میں بالکل فساد نہیں ہے۔ اور اس صورت میں وہ باہر جم کر کام کر سکتا ہے۔

نو زمیندار بہ بہتر سے بہتر خدمت کر سکتا ہے۔ کہ وہ کوشش کر کے اپنے گاؤں میں کوئی فساد نہ ہونے دے۔ گورنمنٹ کو اپنے ملک کی طرف سے بالکل مطمئن کر دیں۔ یہ ایک عمدہ خدمت ہے۔ اور مالدار آدمی یہ خدمت کر سکتا ہے۔ کہ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیواؤں اور یتامیٰ کی خدمت کے لئے چندہ دیں۔

یوں بھی بیواؤں اور یتیموں کی پرورش اور زخمیوں کی خبرگیری عمدہ کام ہے۔ اور اس طرح گورنمنٹ کے لئے بھی سہولت ہو جائیگی اور بہت کچھ دقتیں ان کی رفع ہو سکتی ہیں۔ تو یہ ایک پنتھ دو کاج ہو گئے۔ اور اہل قلم کے لئے بیسیوں خدمات ہیں۔ عوام میں وفاداری کے خیالات کو پھیلانا۔ اور لوگوں کو ہر ایک قسم کی قربانی کے لئے تیار کرنا بھی ایک عمدہ اور اعلیٰ خدمت ہے۔

خاتمہ

یہ ایک آزمائش کا وقت ہے۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ اس وقت وفاداری سے کام لیں۔ ہم نہیں جانتے نتیجہ کیا ہو گا۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم وفاداری سے کام لیں۔ اور اپنے فرض کو پورا کریں۔

یہ انجام ہیں۔ ان کو یاد کرو۔ اپنی زبانوں کو پورا کرو۔ گورنمنٹ کی وفاداری اپنے ہر قول و فعل سے ثابت کرو۔ گورنمنٹ کی اندرونی مشکلات کو پورا کرنے کیلئے کوشش کرو۔ اپنے عہد کو پورا کرو۔ دعائیں کرو۔ کہ کوئی نتیجہ ہو۔ اسلام بڑھے خدا کا نام پھیلے۔ خدا ایسا ہی کرے۔ آمین ثم آمین۔

خطبۂ عید الفطر

فرمودہ ۲۴ اگست ۱۹۱۴ء

شریعت نے خوشی کے موقعہ پر عبادت کا حکم دیا ہے

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔ الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ الخ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اذ قال الحواریون یٰعیسی ابن مریم ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃً من السماء قال اتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین۔ قالوا نرید ان ناکل منھا وتطمئن قلوبنا ونعلم ان قد صدقتنا ونکون علیھا من الشاھدین۔ قال عیسی ابن مریم اللّٰھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیداً لاولنا واٰخرنا واٰیۃ منک وارزقنا وانت خیر الرازقین۔ قال اللہ انی منزلھا علیکم فمن یکفر بعد منکم فانی اعذبہ عذاباً لا اعذبہ احداً من العالمین ؕ

ہر ایک انسان فطرتاً اپنی بھلائی اور بہتری اور اپنے لئے آرام چاہتا ہے۔ کوئی بیوقوف سے بیوقوف انسان بھی ایسا نہیں ہوگا۔ جو اپنے لئے دکھ چاہتا ہو۔ لیکن اپنی نادانی کی وجہ سے بعض لوگ ایک شے کو طلب کرتے ہیں۔ لیکن وہ اُس کی وجہ سے دکھ میں پڑتے ہیں۔

ایک آدمی اپنے لئے آرام و راحت طلب کرتا ہے۔ وہ اُلٹا اُس کے لئے موجب تکلیف بن جاتا ہے۔ وہ انعام طلب کرتا ہے اور وہ اس کیلئے عذاب ہو جاتا ہے۔ وہ ترقی طلب کرتا ہے جو تنزل ہو جاتی ہے۔ اور وہ مفید چیزیں طلب کرتا ہے

لیکن وہ اس کے لئے مضر ثابت ہوتی ہیں۔ اس طرح کے ہزاروں نظارے دنیا میں نظر آتے ہیں۔ کہ ایک انسان بڑی خوشیوں اور بڑی امیدوں کے ساتھ ایک چیز کو طلب کرتا ہے۔ لیکن وہ اس کے لئے دکھ کا موجب بن جاتی ہے۔ ایک انسان کے گھر اولاد نہیں۔ وہ خود دعائیں کرتا۔ لوگوں کو دعا کیلئے کہتا۔ اور صدقہ وخیرات بھی کرتا ہے۔ اور جو کچھ بھی وہ اس کیلئے کرسکتا ہے کرتا ہے۔ مگر ایسی خبیث اولاد اسکی ہوتی ہے کہ وہ اس کیلئے انقطاع نسل کا باعث ہو جاتی ہے۔ اس کی نسل تو ہوتی ہے۔ لیکن وہ ایسی ایسی شرمناک حرکات کرتی ہے۔ کہ اس کا نام لیتے ہوئے بھی اسکو شرم آتی ہے ٭

معاویہؓ یزید کی پیدائش پر کتنا خوش ہوا ہوگا۔ اور اس نے خیال کیا ہوگا۔ کہ یہ بیٹا میرے لئے عزت افزائی کا موجب ہوگا۔ لیکن اسی یزید نے ایسی ایسی خباثتیں کیں۔ کہ اب کوئی آدمی نہیں کہہ سکتا۔ کہ میں معاویہؓ کی اولاد ہوں۔ کیونکہ اس کے درمیان ایک گندے آدمی کا واسطہ آتا ہے جسکی وجہ سے وہ بدنام ہوتے ہیں۔ تو وہی یزید جسے اس نے اپنی نسل بڑھانے والا اور ناموری کا باعث تصور کیا۔ وہ اس کیلئے ہلاکت اور تباہی کا باعث ہوگیا ٭

تو انسان بڑی خوشیاں کرتا۔ اور اپنے لئے ایک چیز کو مفید خیال کرتا ہے لیکن وہی اس کے لئے تباہی وبربادی کا باعث ہوجاتی ہے۔ بدر کے موقعہ پر کفار مکہ جب آئے۔ انہوں نے سمجھا۔ کہ بس اب ہم نے مسلمانوں کو مار لیا۔ اور ابوجہل نے کہا۔ ہم یہاں عید منائینگے۔ اور خوب شرابیں اڑائیں گے اور سمجھا کہ بس اب مسلمانوں کو مارے ہی پیچھے ہٹیں گے ٭

لیکن اسی ابوجہل کو مدینہ کے دو لڑکوں نے (کفار مکہ مدینہ والوں کو نہایت ذلیل خیال کرتے تھے۔ اور ان کو آرائیں کہا کرتے تھے) قتل کر دیا۔ اور اُسے ایسی حسرت دیکھنی نصیب ہوئی کہ اسکی آخری خواہش بھی پوری نہ ہوسکی۔ (عرب میں رواج تھا کہ جو سردار ہوتا۔ وہ اگر لڑائی میں مارا جاتا۔ تو اسکی گردن

لمبی کرکے کاٹتے۔ تا پہچانا جاوے کہ یہ کوئی سردار تھا) عبداللہ بن مسعودؓ نے اُسے دیکھا (جب یہ بےحس و حرکت زخمی پڑا تھا) اور پوچھا کہ تمہاری کیا حالت ہے۔ اُس نے کہا۔ مجھے اور تو کوئی افسوس نہیں۔ صرف یہ ہے۔ کہ مجھے مدینہ کے دو آرائیں بچوں نے مار دیا۔ عبداللہ نے دریافت کیا۔ کہ تمہاری کوئی خواہش ہے اُس نے کہا۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ میری گردن ذرا لمبی کرکے کاٹ دو۔ اُنہوں نے کہا۔ میں تیری یہ خواہش بھی پوری نہ ہونے دونگا۔ اور اس کی گردن کو ٹھوڑی کے پاس سختی سے کاٹ دیا۔ اور وہ جو عید منانی چاہتا تھا۔ وہی اُس کیلئے ماتم ہو گیا۔ اور وہ شراب جو اس نے پی تھی۔ اُسے ہضم ہونی بھی نصیب نہ ہوئی ✤

انسان ایک لطیف سے لطیف غذا کھاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے۔ کہ میرے جزو بدن ہوگی۔ لیکن وہ نہیں جانتا۔ کہ یہی غذا اس کے لئے ہیضہ کا باعث ہوجائیگی۔ وہ بڑی بڑی خوشیوں اور شادیوں پر لوگ جاتے ہیں۔ اور خوشی میں حد سے گذر جاتے ہیں۔ اور شریعت کے احکام کو توڑتے ہیں لیکن بیویاں ایسی آتی ہیں۔ کہ وہ گھر میں امن کی بجائے فساد کا موجب ہوجاتی ہیں۔ اور بعض بعض بدکاریاں کرکے اس گھر کی بدنامی کا باعث ہوجاتی ہیں ✤

تو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک خوشی جسے انسان طلب کرتا ہے ہوسکتا ہے وہ خوشی نہ ہو۔ ممکن ہے۔ انسان خدا کو ناراض کرکے خوشی کے بدلے دُکھ خرید لے ✤

یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے۔ اس میں بھی بتلایا ہے۔ پہلے مسیحؑ کے حواریوں نے مسیح سے عرض کیا۔ کہ آپ ہمارے لئے دعا کریں کہ ہمیں آسمان سے مائدہ ملے۔ ہم کو دولت مل جاوے۔ تاکہ یہ جو آئے دن چندے لگے رہتے ہیں۔ اُن سے چھٹی ہو۔ اور آرام سے ہم خرچ کرسکیں۔ اور پھر ہم خوب دل کھول کر عبادت بھی کرسکیں گے۔ کیونکہ بے فکر ہو جاویں گے۔ حضرت مسیحؑ نے فرمایا۔ اچھا اللہ تعالیٰ

مت طلب کرو۔ جو اللہ دیتا ہے۔ اُسے لو۔ انسان ایک وقت میں ایک چیز کو مفید خیال کر کے طلب کرتا ہے۔ لیکن اس کے لئے وہ دُکھ کا موجب ہو جاتی ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہم نیک ارادے سے طلب کرتے ہیں ۔

حضرت مسیحؑ نے ان کے لئے دعا کی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا میں دوں گا۔ تو سہی۔ لیکن جو شخص پھر اس کی ناشکری کریگا۔ تو میں اُسے ایسا خطرناک عذاب دونگا۔ کہ اور کسی کو ایسا خطرناک عذاب نہ ملے گا ۔

خدا تعالےٰ کا معمولی عذاب بھی کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔ ایک بہادر سے بہادر آدمی کو ذرا سر میں درد ہو یا پیٹ میں درد ہو۔ تو اسے گرا دیتی ہے ہمارے موجودہ بادشاہ کے والد ایڈورڈ ہفتم کا جشن تاجپوشی ہونیوالا تھا۔ پیٹ میں پھوڑا تھا باوجود اس کے کہ ہر طرح تیاریاں ہو چکے تھے مگر خدا تعالےٰ کے حکم کے ماتحت سر جھکانا پڑا۔ اور جشن ملتوی کرنا پڑا۔ غرضیکہ اللہ تعالےٰ کیطرف سے جو ابتلا آتے ہیں۔ بادشاہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ غرض انسان کو بہت سی خوشیاں پہنچتی ہیں۔ لیکن ان میں سے بہت سی خوشیاں اصل میں خوشیاں نہیں ہوتیں۔ بلکہ آخر کار مصیبت ثابت ہوتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے۔ ہم دینگے تو سہی۔ مگر ایسا نہ ہو۔ تم نافرمانی کرو۔ تو میں پھر تم کو ایسا خطرناک عذاب دونگا۔ کہ کسی کو نہ دیا ہوگا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ایسا عذاب دوں گا کہ کبھی کسی کو نہ دیا ہوگا۔ اب اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ ایک جگہ اس عذاب کو آسمان کے پھٹ جانے سے مشابہت دی ہے ۔

ایک معمولی ستارہ زمین پر گر جاوے یا سورج یا چاند ہی زمین پر گر جاویں۔ تو تہلکہ مچ جاوے۔ تو جب تمام نظام ہی درہم برہم ہو جاوے اس وقت کیا حالت ہو گی۔

اب اس زمانہ میں ایک ایسی لڑائی شروع ہوئی ہے کہ پہلے اس کا نمونہ نہیں ملتا۔ صحابہ کے زمانہ میں جنگ ہوتی تھی تیروں کی جنگ۔ بعض صحابہ کو تیر لگا ہوا ہے۔ اور نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ اس وقت وہ لوگ باوجود زخموں کے کام بھی

کر سکتے تھے۔ مگر اب خطرناک سے خطرناک سامانوں کے ساتھ لڑائی ہو رہی ہے۔ اور یہ ایک خطرناک عذاب ہے۔ خطرناک قسم کے گولے جو آدمی تو کیا ہستی رکھتا ہے۔ بڑی بڑی دیواروں اور قلعوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اور بمب۔ ہوائی جنگی جہاز بڑی بڑی طاقت کی مشین والی توپیں بڑے بڑے جنگی جہاز ہیں۔ جن کے ذریعے سے لڑائی کرتے ہیں۔ تو یہ سامان جو آجکل لڑائیوں میں نظر آتے ہیں۔ دُنیا میں آج تک نہیں پائے گئے۔ اور ایسے ایسے خطرناک سامان ہیں۔ کہ ان سے بچنا ناممکن ہوتا ہے۔ عجیب عجیب قسم کی بندوقیں اور کروزر اور اس قدر لڑائی کے سامان اکٹھے ہوئے ہیں۔ کہ پہلے انسان کے خیال میں بھی نہیں آ سکتے تھے۔ پہلے آج تک کبھی ایسی لڑائی نہیں ہوئی۔ کہتے ہیں۔ کورو چھیتر کے میدان میں کئی لاکھ آدمی مارے گئے۔ حالانکہ اس میدان میں لاکھ دو لاکھ آدمی بھی سما نہیں سکتا۔

یورپ کہتا ہے۔ کہ ہم نے لڑائی کے سامان ایجاد کئے۔ ہم نے توپیں بنائیں۔ ہم نے جنگی جہاز بنا لئے۔ اور کروزر بنائے۔ ہم کہتے ہیں یہ بالکل ٹھیک ہے۔ ایسا ہی ہے۔ لیکن یہ خدا کا فرمان پورا ہو رہا ہے۔ تمہاری ایجادیں قرآن کریم کی آیت کی تصدیق کرتی ہیں چنانچہ اب یورپین اخبارات خود اس بات کا اقرار کر رہے ہیں۔ کہ یہ لڑائی ایسی ہے۔ کہ ایسی لڑائی اور خونریزی اس میں ہونے والی ہے۔ کہ آج تک کبھی نہیں ہوئی۔ گویا وہی سامان ان کے لئے دُکھ کا موجب بن گیا۔ تو خوب یاد رکھو۔ کہ انسان کو بڑی خوشیاں ہوتی ہیں۔ لیکن وہ اس کے عذاب اور دُکھ و تکلیف کا باعث ہو جاتی ہیں۔ آج بھی ایک عید کا دن ہے۔ لوگ خوشی میں ہیں۔ کہ عید آ گئی۔ اور بڑے خوش ہو رہے ہیں۔

قرآن کریم جیسی پاک کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پاک انسان

اس سے استنباط کرنے والا آپ نے ایک عید کا دن بنایا۔ لوگ تو خوشیوں میں اپنے فرضوں کو بھول کر شریعت کے احکام توڑتے ہیں آپ نے بجائے پانچ کے اس دن چھ نمازیں مقرر فرمائیں۔ کہ ایسا نہ ہو۔ کہ یہ لوگ اس خوشی میں متوالے ہو کر شریعت کے احکام کو توڑیں۔ اور مورد عذاب بنیں۔ بعض قوموں کو اللہ تعالے نے انعام دئے۔ اور خوشی دی انہوں نے کفر کیا۔ اور ان کو عذاب ملا۔ تو عید بیشک خوشی اور راحت کی چیز ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ یہ خوشی کا دن ہے۔ یہ کیوں خوشی کا دن ہے۔ یہ ایک الگ سوال ہے۔ اور لمبا مضمون ہے۔ غرض یہ دن خوشی کے ہیں۔ خوشیوں میں لوگ فرائض کو بھول جایا کرتے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں۔ کہ خوشیوں میں ذمہ واریاں بڑھ جایا کرتی ہیں ؎

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ پہ ہزار ہزار رحمتیں اور برکات ہوں۔ اور سلام وصلوٰۃ وبرکات آپ پر نازل ہوں۔ آپ نے کیا ہی احتیاط کی ہے۔ اور ہمیں بچالیا۔ قرآن کریم میں ہے۔ جو نعمت کا ناشکر گذار ہو۔ اُسے عذاب دوں گا۔ آپ نے ہمیں بتلا دیا۔ کہ کوئی خوشی ہو۔ تم اس میں ضرور کچھ نہ کچھ عبادت کر لیا کرو۔ شریعت نے ہر خوشی کے موقعہ پہ عبادت کا حکم دیا ہے ؎

بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو اور لوگ تو گانا بجانا اور دیگر بدعات کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن ایک مسلمان کو حکم ہے کہ بچہ پیدا ہو۔ تو اس وقت اُس کے کان میں اللہ کا نام ڈالو۔ اللہ اکبر اس کے کان میں پھونکو۔ کہ تم خدا کی عبادت کرنا اور کوئی خوشی آئے۔ اُسے خدا تعالےٰ کے احکام کے ماتحت رکھنا۔ شادی کا وقت آتا ہے۔ اس وقت خطبہ نکاح رکھا۔ جس میں الحمد للہ نحمدہٗ نستعینہٗ رکھا۔ پھر اس کے بعد بعض آیات قرآنی پڑھی جاتی ہے۔ جن میں بار بار اتقوا اللہ اتقوا اللہ آتا ہے۔ پھر جب وہ بیوی کے پاس جاتا ہے۔ اس وقت

بھی عبادت رکھی۔ اور فرمایا دعا مانگا کرو۔ اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان عما رزقتنا۔ کھانے کو بیٹھے بسم اللہ۔ کھانا کھا کر سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ فرمایا الحمد للہ کہو۔ ہر حالت میں خدا کی حمد کرتے رہو۔ کوئی خوشی اور کوئی راحت نہیں جس میں آپ نے عبادت اللہ تعالیٰ کی نہیں رکھی کیونکہ اگر انسان عبادت الٰہی نہ کرے اور کفرانِ نعمت کرے۔ تو قرآن شریف فرماتا ہے۔ فاعذبہ عذاباً لا اعذبہ احداً من العٰلمین۔ نبی کریمؐ نے خود ہمارے لئے راستہ صاف کر دیا۔ اور ہمارے لئے اصول مقرر فرما دئے۔ گویا آپ نے علاج بتلا دیا۔ کہ تم ہر ابتدائے امر پر بسم اللہ اور اس کے اختتام پر الحمد للہ کہو۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین تو آج ایک خوشی اور راحت کا دن ہے۔ کیوں ہے؟ یہ ایک لمبا مضمون ہے ہمیں خدا نے ایک عبادت کا موقعہ دیا ہے۔ آنحضرتؐ نے ہماری ہر ایک خوشی کے موقعہ پر عبادت مقرر فرمائی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ کہ اس نے ہمیں ایک عبادت کا موقعہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے کام بھی کیا ہی عمدہ ہوتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ صدقہ و خیرات بہت کیا کرتی تھیں۔ عبداللہ بن زبیر ان کے بھتیجے نے کہیں کہہ دیا۔ کہ ان کو روکنا چاہیئے۔ کیونکہ اس طرح ان کے وارثوں کو کیا ملیگا۔ ان کو یہ خبر پہنچ گئی۔ انہوں نے کہا میں اگر اسے ملوں تو میں نذر دونگی۔ ایک دن قریش کے ایک دو آدمیوں نے عبداللہ بن زبیر کو ساتھ لیا۔ اور دروازے پر جا کر دستک دی۔ اور کہا ہم اندر آنا چاہتے ہیں۔ اب ہم کے لفظ میں عبداللہ بن زبیر بھی شامل تھے اور ان کو پس پردہ کیا معلوم تھا۔ کہ وہ بھی ساتھ ہیں۔ آپ نے اجازت دے دی جب اندر گئے تو عبداللہ حضرت عائشہؓ سے لپٹ گئے۔ تب حضرت عائشہؓ نے کہا۔ کہ میں نے جو نذر مانی تھی۔ اب اسے پورا کروں۔ وہی بات جس سے عبداللہ بن زبیر نے روکنا چاہا۔ اسے کیا۔ تو گویا انہوں نے اپنے بھتیجے سے ملنے کی خوشی میں ایک عبادت کی۔ اور صدقہ و خیرات کیا۔ یہ باتیں انہوں نے نبی کریمؐ سے ہی سیکھیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ رمضان آیا۔ بدر سے کچھ

عبادت کرو۔ جب گذر را۔ تو خوشی کرو۔ کہ خدا تعالےٰ نے ہمیں توفیق دی۔ کہ روزے رکھے۔ اور اس خوشی میں عبادت کرو۔ یہی ایک نہیں بلکہ ہر ایک خوشی میں عبادت رکھی۔ کیونکہ انسان خوشی میں اندھا ہو جاتا ہے۔ اسلئے فرمایا خوشی میں عبادت بھی کر لیا کرو۔ تاکہ تم اپنی غلطیوں کے ضرر سے بچ جاؤ۔ اور تمہیں اس سے فائدہ پہنچے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اس سے فائدہ پہنچاوے۔ اور حقیقی اسلام کے پھیلانے کی ہمیں توفیق دے۔ ہمیں تقویٰ کے لباس سے ملبوس کرے خدا کرے۔ ہم وہ دن دیکھیں۔ کہ اسلام دنیا میں بڑھے اور پھیلے۔ اٰمین ثم اٰمین

خطبۂ جمعہ

مجرم کا جرم پوشیدہ نہیں رہ سکتا

فرمودہ ۲۸ اگست ۱۹۱۴ء

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

(سیپارہ اول رکوع ۹)

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے یہود کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ کہ تم نے قتل کیا ایک نفس کو۔ اور اپنی طرف سے بڑی احتیاط کی۔ کہ اس کا پتہ نہ لگ سکے۔ اور قاتل کا پتہ نہ چلے۔ بہت خفیہ در خفیہ تدابیر کے ماتحت اُسے چھپانا چاہا۔ مگر جس چیز کو خدا ظاہر کرنا چاہے۔ اُسے کون چھپا سکتا ہے۔ کیسی باریک در باریک خفیہ در خفیہ کاروائی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب یہ فیصلہ ہو جاوے کہ اس کو ظاہر کر دیا جاوے۔ تو کون ہے۔ جو اُسے پوشیدہ رکھ سکے۔

فرمایا۔ تم نے کوشش کی۔ کہ اس کو چھپاؤ۔ مگر ہم نے اس کو ظاہر کر دیا۔ اور صرف ظاہر ہی نہیں کیا۔ بلکہ اصل قاتل کو سزا بھی دلوا دی۔ ہم نے حکم دیا۔ کہ اس قاتل کو قتل کر دیا جاوے۔ اور یہ قاتل کو قتل کرنے کی سزا بیہودہ نہیں۔ بلکہ دُنیا کی زندگی اس سے وابستہ ہے۔

جو شخص کسی کو بلا وجہ اور بلا کسی قصور کے قتل کر دے۔ اس کو اس سے یہ دلیری آ جاتی ہے۔ کہ اوروں کو بھی قتل کر دے۔ تعداد کا معاملہ الگ ہے۔ اس کی جرأت اور اس کے دل کی حالت یہ چاہتی ہے کہ وہ ہزاروں کو بھی قتل کر سکے۔ تو جو شخص ایک دفعہ ایسی جرأت کرے۔ دنیا کی زندگیاں اس کی طرف سے غیر مامون اور غیر محفوظ ہو جاتی ہیں۔ اس سے بچانے کے لئے یہ تدبیر بتلائی۔ کہ ایسے آدمی کو قتل کر دیا جاوے۔ اسلئے قرآن کریم میں ایک جگہ ولکم فی القصاص حیٰوۃ فرمایا ہے۔ تو پچھلے باقی ماندہ آدمیوں کی زندگیاں بچانے اور مقتول کا قصاص یعنے اس کی جان کا بدلہ لینے کے لئے بھی یہ مناسب ہے۔ کہ اس کو قتل کر دیا جاوے۔ تو فرمایا۔ ہم نے تمہاری شرارت کو ظاہر کر کے مقتول کا بدلہ لیا۔ یہ ہم نے لغو نہیں کیا۔ بلکہ لوگوں کو زندہ کرنے اور ان کی جانیں بچانے کے لئے ہم نے ایسا کیا۔

مجرم اپنے جرم کو چھپانے کی بڑی کوشش کرتا ہے۔ چوروں کو دیکھو وہ اسلئے کہ ہمیں چوری کرتے وقت کوئی دیکھ نہ لے۔ بڑی بڑی کوششیں کرتے ہیں اور اسلئے کہ کسی کو پتہ نہ لگ سکے۔ وہ دن کے وقت چوری نہیں کرتے کیونکہ دن کے وقت آدمی دیکھ لیتے ہیں۔ اسلئے انہوں نے رات کا وقت چوری کے لئے رکھا ہے۔ پھر وہ اتنی احتیاط کرتے ہیں۔ کہ دنوں کو دیکھ لیتے ہیں کہ کونسے ہیں مثلاً یہ کہ گھر کا مالک گھر میں نہ ہو۔ اور یا پکڑنے والا مرد کوئی گھر میں نہ ہو۔ پھر وہ راتیں مخصوص کر لیتے ہیں۔ کہ کونسی ہوں۔ پھر وہ ایسی آہستہ چلتے ہیں کہ ذرا سی بھی آہٹ نہ ہو۔ باوجود اتنی احتیاطوں کے پھر بھی گورنمنٹ کے قیدخانوں کو

جاکر دیکھ لو۔ کہ بھرے پڑے ہیں۔ ہزاروں چور پکڑے جاتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ کتنی کوششیں اپنے جرم کو پوشیدہ رکھنے کی کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرماتا ہے۔ ہم شریر کی شرارت اور مجرم کے جرم کو آخرکار ظاہر کر ہی دیتے ہیں +

سب سے بڑی تسلی جو مجرم اپنے دل میں رکھتا ہے۔ اور جو اس کو اس جرم پر دلیر کرتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ میں نے بڑی احتیاط کر لی ہے میرا جرم ظاہر نہیں ہوگا۔ اور نہ میری لوگوں میں ذلت ہوگی۔ اور میرے فعل کا کسی کو علم نہیں ہوگا +

چور چوریاں کرتے ہیں۔ پھر وہ اپنی طرف سے اس کے نشان اس طرح مٹاتے ہیں۔ کہ کسی کو بالکل علم نہ ہو سکے +

مویشی چرالئے اور دریاؤں سے آٹھ آٹھ دس دس میل گذر گئے۔ تا کسی کو نشان نہ مل سکے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے بھی ایسے ایسے علوم پیدا کر دئے ہیں۔ کہ ان کے ذریعہ خواہ چور بیس بیس میل پانی کے اندر سے گذر جائے تاہم اس کا پتہ لگ جاتا ہے +

یہ ہم کو نصیحت کی ہے۔ مجرم کو جرم پر دلیر کرنے کیلئے یہ کافی ہے کہ اسے امید ہوتی ہے۔ کہ میرا پتہ نہیں لگ سکیگا۔ اور یہی امید اسکو جرم پر دلیر کرتی ہے۔ فرمایا خوب اور رکھو کہ کوئی جرم کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ چور رات کے وقت چوری کو جاتا ہے کیوں؟ دن کو اس کے دل میں آدمیوں کا ڈر ہوتا ہے۔ کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ پھر وہ اپنے دل کو بڑی بڑی تسلیاں دیتا ہے۔ اور ڈر دور کرتا ہے۔ اور وہ چوری کو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ خوب یاد رکھو ہم ایسی باتوں کو آخرکار نکال ہی دیا کرتے ہیں۔ گورنمنٹ کے قیدخانے اس بات کا ثبوت ہیں۔ کہ مجرم کا جرم چھپا نہیں رہ سکتا۔ خدا تعالےٰ نے مجرم کا جرم ظاہر کرنے کیلئے بڑے بڑے سامان کئے ہیں۔ لوگ بڑے بڑے ظلم کرتے لوگوں کے حقوق کو تلف کرتے ہیں۔ اور پھر سمجھتے ہیں کہ کسی کو پتہ نہیں لگیگا تو یاد رکھو۔

کہ کوئی مجرم جو اپنے جرم پر اصرار کرنے والا ہو۔ ایسا نہیں ملیگا۔ کہ آخر کار اس کا جرم ظاہر نہ ہوگیا ہو۔ اور اس کا راز پوشیدہ رہا ہو۔ اور یا وہ تادمِ مرگ باعزت رہا ہو۔

یہ نصیحت کی ہے کہ یہ نہ سمجھو۔ کہ کسی کو معلوم نہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ تمام راز ظاہر کر دیتا ہے۔ کوئی زانی ہو۔ شرابی ہو۔ چور ہو۔ ڈاکو ہو۔ فریبی۔ دغاباز ہو۔ اللہ تعالیٰ تمام کے رازوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ لوگ بہتیرا چھپاتے ہیں۔ لیکن آخر کار راز کھل جاتا ہے۔

فرمایا تم یہ سمجھ کر کہ کسی کو علم نہ ہوگا۔ کسی جرم پر جرأت مت کرو۔ انسان اگر یہ یقین کرلے۔ اور اس کے یقین کرنے کیلئے یہ عمدہ طریق ہے کہ وہ یہ سمجھ لے کہ وہ اگر جرم کرتا ہے۔ اور ایک مدت تک اگرچہ نیک مشہور بھی رہے۔ اور اسکی شرارت پر پردہ پڑا رہے۔ تو وہ آخر کار ظاہر ہو ہی جاویگا۔ جب انسان کو اس بات کا یقین ہو جاوے تو اس کے دل میں خدا تعالیٰ کا ڈر پیدا ہو جاویگا۔ اور وہ گناہوں سے بچ جاویگا۔ خدا پر کسے یقین ہو جائیگا۔ اور اگر خدا پر یقین نہ ہو۔ تو کم از کم آدمیوں کا اس کے دل میں ڈر پیدا ہو جائیگا۔ اور وہ اس شر سے محفوظ رہیگا۔ خدا پر انسان یقین کرے تو جان سکتا ہے کہ یہ بات کیسی سچ ہے۔ واللہ مخرج ما کنتم تکتمون۔ اب اس آیت کے ماتحت دیکھ لو۔ کہ ہر ایک ملک میں جو جو ایجادیں ہوئی ہیں۔ جہاں اور ایجادیں بڑھیں وہاں جرموں کے متعلق بھی بڑی بڑی ایجادیں ہوئی ہیں۔ ویسے ایسے ہتھیار تیار ہوئے کہ لوہے کے دروازوں کو جس طرح پنیر کاٹا جاتا ہے۔ کاٹ کر بلا کھٹکے کے ان میں سے گذر جاتے ہیں مگر اس کے مقابلہ میں ان مجرموں کا پتہ لگانے کیلئے بھی بڑی بڑی عجیب ایجادیں ہوئی ہیں۔ ایک آلہ ایسا ایجاد ہوا ہے۔ کہ آدمی اس کا ایک سرا اپنے گھر میں رکھ دیتا ہے اور اس آلہ کا دوسرا سرا پولیس سٹیشن میں ہوتا ہے۔ چور آتا ہے۔ چور بڑی بڑی احتیاط کرتا ہے لیکن اسکی ہر ایک حرکت کا پتہ پولیس والوں کو لگتا رہتا ہے۔ اور اس کی ایک تصویر بھی اتر جاتی ہے۔ یا بعض آدمی اس کا ایک سرا اپنے گھر اور ایک اپنے دفتر میں رکھ لیتے ہیں۔ چور آیا۔ بس فوراً پتہ لگ گیا کہ فلاں کوٹھڑی میں چور ہے اور اس کا

تو ٹوبھی ساتھ ہی اُترتا آتا ہے۔ اور اس کا پتہ لگ جاتا ہے۔ امراء کو اس سے بہت فائدہ پہنچا ہے۔ اور وہ بہت کچھ ایسی وارداتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ شرارتیوں نے اپنی شرارتوں کی ایجادیں کیں۔ اللہ تعالےٰ نے انکی خباثتوں کو ظاہر کرنے کے لئے سامان پیدا کر دئے۔ مَیں تو اسکو بھی ایک پیشگوئی ہی سمجھتا ہوں۔ اگر چوروں نے ایسی ایجادیں کیں کہ ان سے ان کا جرم پوشیدہ رہے تو اللہ تعالےٰ نے بھی ان کے جرم کو ظاہر کرنے کیلئے سامان کر دئے ہیں۔ یہ بڑی عبرت اور نصیحت کا مقام ہے۔ مجرم کو اپنے جرم پر دلیر کرنیوالی چیز۔ اور ان کیلئے یہ بڑی تسلی ہوتی ہے۔ ہم اس جرم کو چھپا لینگے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے بھی کیسے کیسے سامان پیدا کر دئے ہیں۔ کہ مجرم کا جرم کسی حالت میں مخفی نہیں رہ سکتا اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔ کہ ہم مخفی در مخفی اور ظاہر حالات میں بھی اس کے فرمانبردار اور مطیع ہوں۔ اور اسکے احکام کو ماننے والے ہوں۔ آمین ثم آمین

خطبۂ جمعہ

واقعات عبرت دیکھکر سبق حاصل کرو

فرمودہ ۱۲ ستمبر ۱۹۱۷ء

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۚ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

بہت سے لوگ ایک واقعہ کو دیکھ کر اس کو یاد رکھتے ہیں اور اس سے بہت فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسی مخلوق بھی ہوتی ہے۔ جو ایک نظارہ دیکھ کر

جھٹ پٹ اسکو فراموش کر دیتی ہے - بھلا دیتی ہے - اور ذہن سے اُتار دیتی ہے
ایسے لوگ ہمیشہ ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں۔ انہیں ایک دفعہ نصیحت ہوتی ہے اس
کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر ہوتی ہے - پھر ترک کر دیتے ہیں۔ اور ہر دفعہ انہیں نئے
تجربہ اور نئی آزمائش کی ضرورت دربیش ہوتی ہے۔ دانا انسان ایک تجربہ شدہ
بات کو حاصل کر کے اس سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش شروع
کر دیتا ہے۔ مگر بے وقوف اور نادان انسان ہر دفعہ نیا تجربہ کرنا چاہتا ہے وہ
کہتا ہے کہ ایک دفعہ اتفاقی طور پر یہ بات ہو گئی تھی +

قوموں کے ترقی کرنے کا اصل

جس قدر ترقی کرنے والی اور بڑھنے والی قومیں دنیا میں ہوتی ہیں۔ ان کے کاموں کا دار و مدار اتفاقی باتوں پر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ہر ایک کام کی وجہ اور ذریعہ دریافت
کرتی ہیں۔ ایک احمق اور تنزل میں جانے والا انسان کہتا ہے کہ اتفاق سے یہ
بات ہو گئی ہے۔ مگر ہوشیار اور ترقی کرنے والا انسان کبھی اس طرح نہیں کہتا
وہ ہر ایک بات کی وجہ دریافت کر کے اگر اس کو اپنے لئے مفید اور فائدہ مند
سمجھتا ہے۔ تو اس پر عمل درآمد کرنا شروع کر دیتا ہے اور اگر مضر او نقصان
رساں پاتا ہے۔ تو اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے +

ناعاقبت اندیش قوم کا انجام

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم نے ان کی شرارت کی وجہ سے ان کو سزا دی۔ لیکن انہوں نے اس
بات کو نہ سمجھا۔ بلکہ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ پھر ان کے دل سخت ہو گئے
اور اس سزا کو انہوں نے بھلا دیا۔ اور کہا کہ ایسے اتفاق ہو ہی جایا کرتے ہیں۔
حالانکہ انہیں یہ سمجھنا چاہیئے تھا۔ کہ یہ سزا جو ہمیں ملی ہے۔ یہ ہماری شرارتوں
کا نتیجہ ہے۔ قوم تباہ ہو گئی۔ سردار مارے گئے۔ شہر اور گاؤں ویران ہو گئے
لیکن انہوں نے ان سب باتوں کو اتفاق پر ہی محمول کیا۔ اسی طرح اب کہا جاتا ہے +
فرمایا:۔ پتھر بھی ایسے نرم ہوتے ہیں۔ کہ جن سے پانی نکل آتا ہے لیکن یہ خبیث

ایسے ہیں۔ کہ کبھی دانائی کی بات نہیں کرتے۔ رحم کا مادہ ان میں نہیں رہا۔ نیکی اور تقویٰ ان سے اُڑ گیا ہے۔ یہ روزانہ عبرت کے سامان دیکھتے ہیں۔ لیکن بہرا اندھے ہو کر گذر جاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں نہ خوف خدا ہے نہ رحم ہے نہ مہربانی۔ اس لئے ہر ایک بات کو اتفاقی کہہ دیتے ہیں۔ اور کبھی اسباب کے اسباب اور علتوں پر غور نہیں کرتے۔ اگر یہ غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ سزا جو ہمیں ملی ہے کہ ہم پر عذاب نازل ہو رہے ہیں یہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور نبیوں کے مقابلہ کیوجہ سے ہے لیکن یہ دن بدن سنگدل ہی ہوتے چلے گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تباہ ہو گئے۔

مومن کی شان مومن کی یہ شان نہیں ہوتی۔ وہ عبرت کے سامان دیکھ کر ڈر جاتا ہے۔ اور طرح طرح کے بہانے نہیں بناتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سناتے تھے۔ کہ کسی گاؤں میں ہیضہ پڑا۔ تو ایک شخص کسی کی لاش دیکھ کر کہنے لگا۔ کہ کم بخت پیٹ بھر کر کھاتے ہیں اس لئے مرتے ہیں۔ ہم تو ایک چپاتی کھاتے ہیں۔ اسلئے بیمار بھی نہیں ہوتے۔ کہتے تھے کہ دوسرے ہی دن ایک جنازہ نکلا۔ پوچھا گیا کہ کس کا ہے تو معلوم ہوا اس ایک چپاتی کھانے والے کا ہے تو بدبخت لوگ سامانِ عبرت کو دیکھ کر اندھے اور بہرے ہو کر گذر جاتے ہیں۔ وہ لوگوں کو تباہ ہوتا دیکھتے ہیں لیکن کہہ دیتے ہیں کہ اوروں کیلئے ہی یہ ہلاکت ہے۔ ہمارے لئے نہیں اور اپنے آپکو ہر ایک قسم کے دُکھوں اور تکلیفوں سے مامون اور مصئون سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں۔ بعض جگہ طاعون پڑی ہے۔ تو ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ بجائے اس کے کہ اس سے لوگ نصیحت اور عبرت پکڑتے قبروں کو اکھیڑ کر مُردوں کے کفن اُتارتے رہے ہیں۔ اور ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں۔ کہ مُلاں نے مُردے کو جلدی دفن کرنے کی وجہ سے اس کے زیور نہ اُتارنے دیئے۔ اور پھر قبر کھود کر میت کے ہاتھ اور کان زیور کے لئے کاٹ لئے۔ ان عبرتوں کو دیکھ کر

بھی جن کے سامان خداوند تعالیٰ کی طرف سے مہیا ہوتے ہیں۔ کم بخت لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے۔ لیکن جو خدا تعالیٰ کے فرمانبردار اور نیک بندے ہوتے ہیں۔ وہ ضرور نفع حاصل کر لیتے ہیں۔

فرمایا۔ یہ انسان بھی عجیب قسم کے ہوتے ہیں۔ ہم نے ان کا دل تو نرم بنایا تھا حتیٰ کہ اس میں ہڈی بھی کوئی نہیں رکھی تھی۔ مگر ان کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ روزانہ ہمارے عذاب اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں۔ لیکن پھر کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ اتفاقی بات ہے۔

دعا: خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو اپنی باتوں کو سمجھنے اور ان سے فائدہ حاصل کرنے کی طاقت دے۔ تمہارے دلوں کو نرم کر دے۔ اور محبت و اخلاص سے بھر دے۔ اور آپس میں اتفاق رکھنے کی توفیق دے۔

خطبہ جمعہ
ذلیل کا فلسفہ

فرمودہ ۱۸ دسمبر ۱۹۱۲ء

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ الخ

اس دنیا کے کارخانے پر غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے تمام کاموں کے لئے خواہ دین کے ہوں۔ خواہ دنیا کے خواہ وہ کام جسم کے متعلق ہوں۔ خواہ روح کے۔ دوستوں کے متعلق ہوں۔ یا رشتہ داروں کے اپنے عزیزوں کے متعلق ہوں۔ یا اپنے نفس کے

احکام کے متعلق ہوں، یا رعایا کے۔ بڑوں کے متعلق ہوں یا چھوٹوں کے دوستوں کے متعلق ہوں۔ یا دشمنوں کے۔ عالموں کے متعلق ہوں یا جاہلوں کے۔ ان کے لئے خدا تعالےٰ نے ضرور کچھ قواعد مقرر کئے ہوئے ہیں۔ جن کی خلاف ورزی کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ تمام کائنات اور اس دنیا کے کارخانے کا کام ان قواعد کے ماتحت چل رہا ہے۔ ان کو سمجھنے اور ذہن نشین کر لینے کے بعد انسان بہت سی مشکلات اور مصائب سے بچ سکتا ہے۔ یہ قواعد ایسے وسیع ہیں۔ کہ کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی ان سے باہر نہیں نکل سکتی۔ اور کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ ان کی حکومت سے باہر نہیں رہ سکتا ہے۔ ہمارے بنائے ہوئے قواعد کمزور اور غلط ہو سکتے ہیں۔ کیوں کہ انسان کا علم بھی کمزور اور ناقص ہے اور یہی وجہ ہے۔ کہ بہت دفعہ انسان کے بنائے ہوئے قواعد نیچے رہ جاتے ہیں اور کئی بڑی بڑی ہستیاں ان کو روند کر اوپر سے گذر جاتی ہیں یا وہ بہت اوپر رہ جاتے ہیں۔ اس لئے کئی چھوٹی چھوٹی ہستیاں نیچے سے گذر جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ واسع اور محیط کل ہے۔ اور اس کا علم ایک ایک ذرے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وہ خالق ہے مالک ہے رازق ہے۔ اس لئے اس کے مقرر کردہ قواعد سے کوئی چیز باہر نہیں جا سکتی۔

ڈھیل کا فلسفہ

ان قواعد میں سے جو اس دنیا کے لئے بنائے گئے ہیں۔ ایک قاعدہ ڈھیل کا ہے۔ اور یہ میں نے اس کا نام اپنی زبان میں رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے لئے ڈھیل کا کچھ میدان مقرر کیا ہوا ہے۔ حکیم اور علیم ہستی کے قواعد کبھی بلا حکمت نہیں ہوتے۔ ایک انسان تو کہتا ہے۔ کہ فلاں بات یوں ہو جائے۔ ورنہ یوں ہو جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کبھی ایسا نہیں کرتا۔ اس نے سب کاموں کے قاعدوں میں مہلت اور ڈھیل کا میدان رکھا ہوا ہے۔ اس کے اندر مختلف تغیرات میں سے

انسان گذرتا ہے۔ کبھی اس کی حالت کچھ ہوتی ہے۔ اور کبھی کچھ۔ کئی انسان زنا کرتے ہیں۔ لیکن ہر ایک کو سزا نہیں ملتی۔ اسی طرح کئی انسان نیکیاں کرتے ہیں۔ لیکن ہر ایک نبوت کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ بہت دفعہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک آدمی نماز میں روتے روتے گھنٹوں سجدے میں گذار دیتا ہے۔ اور اتنی لمبی نماز پڑھتا ہے۔ کہ تمام رات میں دو رکعت ہی ختم کرتا ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ہم اس کی اس نماز کی خوبصورتی اور عبادت کی عمدگی کو دیکھ کر یہ کہہ دیں۔ کہ انبیاء کی عبادت سے بڑھی ہوئی ہے۔ اسی طرح ایک شخص کفر کے کلمے لکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیتا ہے۔ اس کی ذات کی طرف گند منسوب کرتا ہے۔ لیکن پھر اسی وقت تباہ نہیں ہو جاتا۔ پہلے کی طرح ہی کھاتا۔ پیتا۔ چلنا۔ پھرنا۔ اٹھنا بیٹھنا اور رہنا سہنا ہے۔ پھر ایک آدمی کو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کوئی سخت چیز نگل لیتا ہے۔ جس کو اس کا معدہ ہضم نہیں کر سکتا۔ لیکن اسی دن اس کو قے نہیں ہو جاتا۔ بعض بچے شیشے کے ٹکڑے کھا جاتے ہیں۔ اور نہیں مرتے۔ پھر اگر کوئی ایک قطرہ آرسنک (سنکھیا) کا پی جائے۔ تو مرتا نہیں۔ یا ایک لقمہ گھی کا کھائے۔ تو موٹا نہیں ہو جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے ڈھیل کا میدان رکھا ہوا ہے۔ ایسا انسان ابھی اس کے اندر ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ آج کل کے جنگوں میں تم دیکھ رہے ہو۔ کہ ایک دن لکھا ہوتا ہے۔ کہ جرمن فلاں جگہ سے آگے بڑھے۔ اور دوسرے دن کی خبر ہوتی ہے۔ کہ پیچھے ہٹا دیئے گئے۔ ان باتوں کو لڑائی کا فیصلہ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ابھی اس میں ڈھیل ہے۔ اس لئے یہ لڑائیاں میدان جنگ کی کاروائی کا نتیجہ نہیں پیدا کر سکتیں۔ اسی طرح انسان کو اس کے اعمال کبھی کسی طرف دھکیل کر لے جاتے ہیں۔ اور کبھی کسی طرف۔ لیکن جو انسان نفس مطمئنہ کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور جو دوسری طرف آخری نقطہ پر چلا جاتا ہے۔

وہ پھر ایسا گمراہ ہو جاتا ہے کہ کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت اور وعظ کرنے والے کا وعظ اس کے لیے مؤثر نہیں ہو سکتا۔ اس جنگ میں کامیاب ہونیوالے انسان کی مثال اسی طرح کی ہوتی ہے۔ کہ جس طرح ایک فاتح دشمن کے قلعے پر کھڑا ہو کر ٹھنڈی ہوا کھا رہا ہے۔ اور ارد گرد کے منظر اور سبزی سے لطف اٹھا رہا ہو۔ اسے دیکھ کر اور پھر ایک ایسے سپاہی کو دیکھ کر جو لڑائی میں بڑی جانبازی اور کوشش سے تلوار چلا رہا ہو ایک شخص کہہ سکتا ہے۔ کہ قلعہ پر چڑھ کر سیر کرنے والا بیکار ہے اور کوئی محنت نہیں کرتا۔ لیکن اسے کیا معلوم ہے۔ کہ اس نے مدتوں تلوار کھینچی۔ اور محنت کی ہے۔ اور اسی وجہ سے آج قلعہ تک پہنچا ہے۔ اس کا لڑائی میں تلوار چلانا اس کی فتح نہ تھی۔ کیونکہ کبھی یہاں تک قدم آگے بڑھ آتا تھا۔ اور کبھی اس کو پیچھے بھی ہٹنا پڑتا تھا۔ لیکن جب اس نے دشمن کو کامل شکست دی۔ تب جا کر قلعہ پر قبضہ کرنے کے قابل ہوا۔ تو ایک میدان خدا تعالیٰ نے بھی رکھ دیا ہوا ہے۔ بہت کم عقل ہوتے ہیں وہ لوگ۔ جو اس میدان میں ترقی کا ایک قدم چل کر کہتے ہیں۔ کہ ہم کامیاب ہو گئے۔ ایسے لوگوں کو شیطان گھسیٹ کر پیچھے پھینک دیتا ہے۔ اس کے خلاف ایک قوم ایسی بھی ہوتی ہے۔ جو اگر اصل راہ سے ایک قدم پیچھے ہٹ جائے تو سمجھتی ہے۔ کہ اب ہمارے سنبھلنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ ایسوں کو بھی شیطان پھر ابھرنے نہیں دیتا۔

کامیابی کا گر کامیابی وہی انسان حاصل کر سکتا ہے۔ جو اگر آگے بڑھے۔ تو خوش نہیں ہوتا۔ اور اگر پیچھے ہٹے۔ تو مایوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ جہاں میں نے پہنچنا ہے۔ وہ اور ہی جگہ ہے۔ ایک طبیب مریض کو دیکھ کر کہہ سکتا ہے۔ کہ اس کی حالت اچھی ہے۔ نبض چلتی ہے۔ طاقت قائم ہے۔ مگر اس کے ماں باپ وغیرہ رو بیٹھے ہیں۔ پھر کبھی ایک طاقتور انسان ہوتا ہے۔ اور لوگ اسے موٹا تازہ سمجھتے ہیں۔ لیکن

طبیب کہہ دیتا ہے۔ کہ اس کے دل کو ایسا صدمہ پہنچا ہوا ہے۔ ممکن ہے۔ کہ
ذرا سی زور کی آواز سے اس کی جان نکل جائے۔ تو انسان کے لیئے
روحانی عادت کی نسبت بظاہر فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ کسی حد کو
پہنچ جاتا ہے۔ تو پھر اس کی عادت کا اندازہ کرنے میں کسی قسم کا شک و شبہ
نہیں رہ جاتا۔ اگر ایک آدمی کچھ عرصہ بیکار رہے۔ تو اس کے اعضاء کسی قدر
کام کرنے کے ناقابل ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر مطلقاً ان سے کوئی کام نہ لے۔
تو وہ بالکل نکمے ہو جاتے ہیں۔ یہی حال روحانیت کا ہے۔ روحانیت میں
وہ درمیان کا راستہ جس کا خدا تعالیٰ نے ظہیر نام رکھا ہے۔ اس میں انسان
کی کامیابی اور شکست حقیقی نہیں ہوتی۔ اس سے اکثر لوگوں کو دھوکہ لگتا ہے۔
وہ چند روز اچھی طرح نمازیں پڑھ کر یا ایک مہینہ روزے رکھ کر خیال کرتے
ہیں۔ کہ ہم پاک اور معصوم بن گئے ہیں۔ لیکن انہیں کیا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر
شیطان ان کی بغلوں میں پاس ہی کھڑا ہوتا ہے۔ اور ان کو ایک ہی دھکا
دے کر تحت الثریٰ میں گرا دیتا ہے۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر انسان
گناہ کرتا ہے۔ تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ اور اگر نیکی کرتا ہے۔ تو
نور آجاتا ہے۔ آخر کار ان دو میں سے کوئی غالب آجاتا ہے۔ ہاں انسان
پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے۔ جب کہ وہ شیطان کی زد سے محفوظ ہو جاتا
ہے۔ یا اس کے برخلاف اس کی حالت ایسی گر جاتی ہے۔ کہ پھر سنبھلنے کے
قابل نہیں رہتا۔ کئی لوگ اپنے خیال میں دوسروں پر اس رنگ میں رحم کرتے
ہیں۔ کہتے ہیں۔ ممکن ہے۔ کہ وہ ہدایت پا جائیں۔ اور بعض اس کی ضد میں یہ
کہتے ہیں۔ کہ نبی بھی تو انسان ہی ہوتا ہے۔ وہ بھی زنا کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ یہ
دونوں گروہ غلط اور بالکل بیہودہ خیالات رکھتے ہیں۔ ایک رسول بیشک انسان
ہی ہوتا ہے۔ لیکن وہ اس حد سے گذر چکا ہوتا ہے۔ جہاں تک کہ کسی گناہ
کے کرنے کا امکان ہوتا ہے۔ اسی طرح ابوجہل اور فرعون بھی بند

ہی تھے، لیکن وہ گمراہی کی اس حد تک پہنچ چکے تھے۔ جہاں سے واپس لوٹنا ناممکن تھا۔ اور ان کے لئے ہلاکت ہی ہلاکت تھی۔

موجودہ زمانہ کی مثال یہی مثال اس زمانہ میں دیکھ لو۔ کہ لیکھرام کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام تھا۔ کہ ہلاک ہو جائے گا۔ اس کے لئے کوئی شرط وغیرہ نہ تھی۔ کیونکہ یہ اس حد تک پہنچ چکا تھا۔ کہ اس کے اندر نور کا پیدا ہونا ناممکن تھا۔ اور جس طرح ایک ہاتھ خشک ہو جانے یا آنکھ کا نور ضائع ہو جانے کے بعد پھر طاقت اور نور پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اس کا دل ایسا تاریک ہو گیا تھا۔ کہ اس میں نور نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے حکم دیا۔ کہ یہ بلاشبہ ہلاک کیا جائے گا۔ یہ کوئی اس پر ظلم نہ تھا۔ وہ ہلاکت کی حد سے کچھ ورے تھا۔ اور اسے ابھی کچھ ڈھیل کا میدان اور عبور کرنا تھا اس لئے خدا تعالےٰ نے اس کے لئے شرط لگا دی کہ اگر یہ توبہ کریگا تو ہلاک نہیں ہوگا۔ ورنہ تباہ ہو جائیگا۔ اس نے پہلے تو کہہ دیا۔ کہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال نہیں کہا۔ لیکن جب اسے خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نیکی دیکھ کر ڈر جانے کی وجہ سے ہلاکت سے بچا لیا تو اس نے خیال کیا۔ کہ میرے متعلق جو پیشگوئی تھی۔ وہ جھوٹی تھی۔ اس نے اپنے ڈر جانے والی حق بات کو چھپا لیا۔ اور اسے ظاہر نہ کیا۔ اس لئے پھر تباہ ہو گیا۔ تو خدا تعالےٰ نے ہم کو ہر طرح کے نظارے دکھا دیے ہیں کہ بعض انسان ایسے ہوتے ہیں۔ جو آگے بڑھ سکتے ہیں۔ لیکن بعض میں آگے بڑھنے کی طاقت نہیں ہوتی۔

گناہ پر فخر کرنیوالے بعض انسان ایسے ہوتے ہیں۔ جو گناہ کر کے اس پر فخر کرتے ہیں۔ اور شرارت سے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور بعض ایک گناہ مجبوری سے کرتے ہیں۔ مثلاً ان پر حرص غالب جاتی ہے

طمع اندھا کر دیتا ہے۔ جوش۔ محبت، دشمنی وغیرہ جلد بات مجبور کر دیتے ہیں۔ مگر ایک گناہ ایسا ہوتا ہے۔ جو کہ انتہائی درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ وہ فوری جوش سے نہیں ہوتا۔ بلکہ ناپاک طبیعت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ایسے انسان بے حیا ہو جاتے ہیں۔ اور گرتے گرتے ایسے گر جاتے ہیں کہ پھر کبھی اٹھ نہیں سکتے اور ان کو ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ کیا ایسے آدمیوں سے تم ایمان لانے کی طمع رکھتے ہو؟ اس سے معلوم ہوا۔ کہ کسی کی نسبت ایمان لانے کی طمع رکھنی ٹھیک ہے کیونکہ یہ نہیں فرمایا۔ کہ کیوں طمع رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک خاص گروہ کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ کیا تم ان کے ایمان لانے کی طمع رکھتے ہو۔ کہ وہ تمہاری باتیں مان کر نیکی کریں گے۔ نہیں وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے۔ ایک کمزور انسان ممکن ہے۔ کبھی اپنی کمزوری سے مجبور ہو کر انسان کے کلام میں تحریف کرے۔ مگر ایک انسان جو ایک کلام کو خدا تعالیٰ کا کلام مانتا ہو۔ اور اسے اس بات کا یقین بھی ہو۔ اور پھر اس میں تحریف کرے۔ تو وہ بہت بڑے جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہاں خدا تعالیٰ نے یُحَرِّفُونَ الْقُرْآنَ نہیں فرمایا بلکہ کلام اللہ فرمایا ہے۔ اس لئے اس سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو قرآن شریف کو کلام اللہ سمجھتے ہیں۔ ورنہ ایسے لوگ تو بہت ہیں۔ جو قرآن شریف کو کلام اللہ نہیں سمجھتے۔ پھر ایسے لوگ کیا کرتے ہیں۔ اس میں تحریف کر دیتے ہیں۔ تحریف تو غلطی سے بھی ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نے غلط تفسیر کر دی۔ لیکن یہ ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ یہ خوب سمجھتے ہیں۔ کہ اس کلام کا یہ مطلب نہیں۔ مگر پھر وہ کہتے ہیں۔ کہ یہی ہے۔ پھر تعبض و فعہ انسان سمجھتا ہے۔ کہ یہ مطلب ہے۔ مگر اس سے بے جانے بوجھے تحریف ہو جاتی ہے۔ مثلاً جلدی سے کوئی کلمہ نکل جاتا ہے۔ حالانکہ انسان کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ جس طرح حدیث میں آیا ہے۔ کہ ایک شخص نے کہا۔ کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے۔ اور میں تیرا خدا ہوں۔ وہ اصل

بات جانتا تھا مگر اس کے منہ سے نکل گیا۔ اور اس نے جان کر نہ کہا تھا۔ بہت سے موقعہ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ انسان سمجھتا کچھ ہے۔ اور کہہ کچھ جاتا ہے فرمایا کہ جب انسان میں یہ تین باتیں ہوں۔ کہ ایک تو وہ خدا کا کلام سمجھتا ہو دوسرے اس کے معنے اور مطلب بھی سمجھتا ہو۔ تیسرے تحریف بھی جان بوجھ کر کرتا ہو۔ پھر ایسے انسان سے ایمان کی کیا امید رکھ سکتے ہو۔ وہ تو گناہ کے اس درجہ کو پہنچ چکا ہے۔ کہ اب اس سے واپس آنا اس کے لئے نا ممکن ہے۔ یہ شرائط اس لئے لگائی ہیں۔ کہ ممکن ہے۔ ایک آدمی تمام قرآن سے واقف نہ ہو۔ اس لئے ایک آیت کی تفسیر میں ٹھوکر کھا جاوے۔ سارے قرآن کے جاننے والا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ پہلے مفسرین اور علماء کی آج ہمیں غلطیاں معلوم ہو رہی ہیں۔ اور ممکن ہے۔ کہ ہماری غلطیاں آئندہ آنے والی نسلوں کو معلوم ہوں۔ قرآن خدا کا کلام ہے۔ بندے کا کیا مقدور ہے کہ اس سارے کا احاطہ کر سکے۔ مگر اس قسم کے لوگ اس حد تک خوب سمجھتے ہیں۔ جہاں تک کہ انہیں بیان کرنا ہوتا ہے۔ لیکن پھر جان بوجھ کر شرارت کرتے ہیں۔

سلسلہ احمدیہ کے دشمن ہمارے سلسلہ کے بھی بعض ایسے دشمن ہیں۔ جو باوجود اصل معنے جاننے کے اور اور معنے کرتے ہیں۔ بڑے بڑے مخالف حضرت صاحب کی تحریروں کا مطلب خوب سمجھتے ہیں۔ لیکن ظاہر نہیں کرتے۔ اور اس کا ایک ثبوت یہ ہے۔ کہ ایسے لوگ کبھی مباہلہ کے میدان میں نہیں آتے۔ . . . . خواہ انہیں کتنی ہی غیرت اور جوش دلایا جاوے۔ حضرت صاحب کی عبارات کو خوب سمجھتے ہیں۔ کچھ اگلا اور کچھ پچھلا حصہ کاٹ کر شائع کر دیتے ہیں۔ غرضیکہ بعض لوگ گناہ کی حد کو پہنچ جاتے ہیں جس کا نتیجہ انہیں بہت برا حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ جو آدمی ہمارے ہمارے کلام کو ہمارا کلام سمجھتا ہو پھر

اُس کے معنی بھی جانتا ہو۔ پھر جان بوجھ کر لوگوں کو ایسے معنے بتائے۔ جو اصل میں نہ ہوں۔ تو ایسے آدمی کی نسبت ایمان لانے کا طمع رکھنا کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ ایسا انسان ڈھیل کی حد کو طے کر چکا ہوتا ہے۔ اس کے لئے ہدایت کی امید رکھنا فضول ہے۔

غلط انداز ہے

اب اگر کوئی شخص کہے کہ ایسے اشخاص کو بھی کچھ نہ کہو کیونکہ وُہ شائد مان جائیں۔ یا ایک شخص کہے کہ نبی کا انجام دیکھنا چاہیئے کیا ہوتا ہے۔ تو ایسا آدمی پاگل ہے۔ وُہ شخص جو گمراہی کی آخری حد کو پہنچ چکا ہو۔ وُہ کبھی ہدائت نہیں پا سکتا۔ اور جو نبی ہو اُس کا انجام کبھی بُرا نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کیا تم کارخانہ قدرت پر غور نہیں کرتے ہر ایک چیز کے لئے دو نقطے ہوتے ہیں۔ جیسے بعض اوقات صحت بیماری پر غالب آجاتی ہے۔ اس لیے اس کو ہو بالیتی ہے۔ یا بعض دفعہ بیماری صحت پر غالب آجاتی ہے۔ ایک بیمار کی درمیانی حالت میں کبھی صحت غالب آجاتی ہے۔ اور کبھی بیماری۔ لیکن انتہا میں جو غالب ہو وُہی نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔ اور سب کاموں میں اسی طرح ہوتا ہے۔ بعض انسان اپنے دماغ کا استعمال چھوڑ دیتے ہیں پھر انہیں کوئی بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔ یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پرانا ملازم پیرا ہوتا تھا۔ اس کو باوجود کئی دفعہ سمجھانے کے بھی مذہب کی اتنی سمجھ نہ آئی کہ کیا ہوتا ہے۔ لیکن ایسے آدمیوں کے مقابلہ میں وُہ بھی ہوتے ہیں۔ جو اپنے جان و مال عزت و آبرو خویش و اقارب تک کو چھوڑ دیتے ہیں مگر اپنے تک شیطان کا ہاتھ نہیں آنے دیتے۔ ان سے شیطان نا امید ہو جاتا ہے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصطلاح میں ان کا شیطان بھی مسلمان ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ یہ درمیانی حد کو عبور کر چکے ہوتے ہیں۔

انسان کے نفس کی جنگ

انسان کے اندر کبھی ملائکہ نیکی کی تحریکیں کرتے ہیں اور کبھی شیطان بدی کی ترغیب دیتا ہے ان کی آپس میں خوب جنگ ہوتی ہے پھر اگر خود انسان ملائکہ سے مل جائے تو یہ دونوں مل کر شیطان کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ اور اگر شیطان سے مل جائے تو دونوں ملائکہ پر غالب آجاتے ہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جب یہ خود شیطان کے ساتھ مل کر اپنے آپ کو تباہ کر رہا ہے تو ہمیں اس کے بچانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس اندر کی جنگ کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی جنگ نہیں آسکتی۔ جرمنی اور فرانس میں جنگ ہو رہی ہے۔ یہ ایک دوسرے کو مارتے یا رتے آخر کار صلح کر لینگے لیکن جو انسان کے اندر جنگ ہوتی ہے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ یا تو انسان کو خدا کے پاس جا بٹھاتی ہے۔ یا ابدالآباد تک جہنم میں ڈال دیتی ہے۔ اس لڑائی کے مقابلہ میں دنیا کی فوجیں چیز ہی کیا ہیں۔ انسان کو خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے ہزاروں خواہشوں کا ہر روز خون کرنا پڑتا ہے۔ اس کی تلوار کبھی میان میں نہیں ہوتی کیونکہ جب تک وہ قتل عام جاری نہ رکھے۔ وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس کے مقابلہ میں بعض ایسے انسان ہوتے ہیں۔ جو کہ نیکیوں کا خون کرتے ہیں۔ اور اپنے نیک ارادوں اور خواہشوں کو شیطانی ارادوں پر قربان کر دیتے ہیں۔ تو انسان کے اندر ایک بڑی بھاری جنگ شروع ہے اس لئے اس کو کسی وقت غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ اور تھوڑی سی کامیابی حاصل کر کے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اب اس جنگ کا فیصلہ ہو گیا ہے یہ فیصلہ اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ نفس امارہ ایسا پامال نہ ہو جائے کہ اسے پھر اٹھنے کی طاقت ہی نہ رہے۔ اگر دل میں کبھی بدی کی تحریک ہو تو یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ابھی دشمن طاقت ور ہے۔ اس کے قلعے فتح کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ پھر جب شیطان بالکل ناامید ہو جائے۔ تو وہ وقت مومن کے لئے خوشی کا وقت ہوتا ہے۔ اسی طرح جب کافر کی تباہی کا وقت قریب آجاتا ہے۔ تو

مریضوں کی نسبت حکم ہو جاتا ہے۔ کہ اب اس کو چھوڑ دو۔

لاعلاج کو چھوڑ دینا چاہیئے

اگر کوئی شخص مردہ کو اس لئے دوائی پلائے۔ کہ شاید زندہ ہو جائے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں حضرت یعقوبؑ کا قول بیان فرمایا ہے کہ ولا تیئسوا من روح اللہ انہ لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون۔ تو وہ پاگل ہے یا اللہ تعالےٰ کے قانون سے ناواقف ہے کیونکہ مُردہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ جہاں خدا نے کہہ دیا ہے۔ کہ اس سے علیحدہ ہو جاؤ۔ اور ایک گڑھے میں اس کو دبا دو۔ اگر ناامید نہ ہونا خدا تعالےٰ کا حکم ہے۔ تو علیحدہ ہو جانا بھی تو اسی کا حکم ہے۔ اسی طرح جب کافر اپنے کفر میں بڑھ رہا ہو۔ لیکن ابھی وہ دلیل کے میدان کے اندر ہو۔ تو ہمیں حکم ہے کہ اس سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ اور اس کے ایمان لانے کی طمع رکھو۔ اور اس کے لئے کوشش کرو۔ لیکن اگر وہ اس حالت کو پہنچ جائے۔ جہاں خدا تعالےٰ کا یہ فتویٰ ہے۔ کہ اب ہدایت نہیں پا سکتا۔ تو ہم کو اس پر وقت ضائع کرنے کی بجائے اس کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے جو کہ قبول کرنے والا ہو۔

مومنوں کو نصیحت

ہر ایک مومن کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ شیطان میرے کاموں میں تو شریک نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے۔ تو وہ سمجھے کہ میں ابھی اس حد تک نہیں پہنچا۔ جہاں کہ شیطان سے بالکل محفوظ رہ سکتا ہوں گویا مومن ابھی میدان جنگ میں ہے۔ اسکو یقین کرنا چاہیئے کہ دشمن ابھی بھاگا نہیں وہ مومن جو اپنے نفس کے بدلے خدا کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسکو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ یہانتک کہ دشمن بالکل اس سے طمع چھوڑ دے کبھی تم نے دیکھا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے پاس کوئی شخص اسلئے آیا ہو۔ کہ آپ کو سمجھائے۔ لیکن کئی احمدی ایسے ہیں جنکو لوگ لگے رہتے ہیں۔ اور اپنے قبضہ میں کرنا چاہتے ہیں تو جو مومن یہ دیکھے کہ دشمن مجھ سے طمع رکھتا ہے اسے سمجھنا چاہیئے کہ وہ کامیابی کے انتہائی نقطہ پر نہیں پہنچا اپنی حالت کے پرکھنے کا یہ ایک عمدہ معیار ہے

نکتہ شیطان کا مومنوں کی طرف سے نا امید ہونا یہ ہے کہ وہ ان کو کسی برے کام کی طرف ترغیب دینا چھوڑ دے۔ لیکن اس کا مسلمان ہونا یہ ہے۔ کہ مومن اس درجہ کو پہنچ جائے۔ کہ وہی لوگ جو اس کی تکالیف کا موجب ہوتے تھے۔ اس کے پاس آکر کہیں۔ کہ ہمیں سمجھاؤ۔ اور سیدھی راہ بتاؤ۔ دیکھو حضرت مسیح موعودؑ کے پاس پہلے لوگ اس لیئے آتے کہ سمجھائیں لیکن پھر وہی مقابلہ پر آنے والوں میں سے ہی اس لیئے آتے کہ ہمیں سمجھاؤ۔ اور اپنے ساتھ ملا لو۔

دعا اللہ تعالےٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اس درجہ اور مقام کو پہنچ جائیں جہاں شیطان اور اس کے دوستوں کی تمام امیدیں منقطع ہو جائیں اور وہ مایوس ہو کر بیٹھ رہیں۔

خطبۂ جمعہ

فرمودہ ۲۵ ستمبر ۱۹۱۴ء

منافق خود بخود ذلیل ہوتا ہے

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؁

دنیا کی بڑی بڑی مصیبتوں میں سے ایک نفاق کی مصیبت بھی ہے منافق انسان کا حملہ بہت خطرناک حملہ ہوتا ہے سامنے سے حملہ کرنے والا انسان خواہ کیسا ہی بہادر

دلیر اور طاقتور کیوں نہ ہو۔ اور جب تک حملہ کیا گیا ہو وہ خواہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ لیکن پھر بھی وہ ضرور کچھ نہ کچھ مقابلہ کرتا ہے۔ لیکن منافق انسان جو پوشیدہ اور خفیہ طور پر حملہ کرتا ہے۔ دوست بن کر دشمنی کرتا ہے ساتھ دے کر عداوت کا ثبوت دیتا ہے اور محبت جتا کر تکلیف اور دکھ پہنچاتا ہے۔ اس کا حملہ نہایت خطرناک ہوتا ہے۔ کوئی کتنا ہی بڑا پہلوان کتنا ہی مضبوط نوجوان اور کتنا ہی دانا ہو۔ لیکن اگر وہ کوئیں پر جھکنے لگے۔ تو ایک چھوٹا بچہ بھی اُسے اچانک دھکا دے کر کوئیں میں گرا سکتا ہے بڑے بڑے جرنیل اور سپہ سالار جن کی شکل دیکھ کر دشمنوں کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ اور وہ کانپنے لگتے ہیں۔ ان کو بہت چھوٹے چھوٹے اور رذیل انسان منافقانہ رنگ میں قتل کر دیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خلافت کے زمانہ میں کس قدر رعب اور جلال تھا۔ کہ بڑے بڑے بادشاہ نام سن کر کانپ جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک رومی بادشاہ نے سفیر کو آپ کی طرف بھیجا تو اس نے آکر کسی مسلمان سے پوچھا کہ بادشاہ کا کونسا محل ہے۔ اس نے کہا کونسا بادشاہ ہمارا تو کوئی بادشاہ نہیں۔ سفیر نے کہا کہ عمر (رض) تو اس نے کہا کہ او خلیفہ۔ اس کا محل کیا ہونا ہے مسجد میں جاکر دیکھو لیٹے ہوئے ہونگے وہ وہاں گیا۔ تو پتہ لگا کہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ وہ بھی وہیں پہنچا۔ اور جاکر دیکھا کہ زمین پر چادر بچھائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے خیال میں بڑا عظیم الشان نقشہ جمایا ہوا ہوگا۔ کہ وہ عمرؓ جس نے سارے یورپ اور سارے ایشیا کے ساتھ جنگ شروع کی ہوئی ہے۔ وہ بڑے عالی شان محلوں میں رہتا ہوگا۔ اس کا دربار بڑی شان و شوکت کے ساتھ لگتا ہوگا۔ لیکن وہ زمین پر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ کو لیٹا ہوا دیکھ کر ایسا مبہوت ہوا کہ بول ہی نہیں سکتا تھا۔ آپ نے اس کو فرمایا کہو بات کیا ہے ڈرو نہیں۔ اور اپنا مطلب بیان کرو۔ تو آپ کا اس قدر رعب تھا۔ کہ

لوگوں کی زبان بھی بند ہو جاتی تھی۔ لیکن ایک خبیث انسان نے جو کہ نہ کوئی بڑا بہادر تھا۔ اور نہ ہی دلیر۔ نہ وہ عقلمند اور باتدبیر تھا۔ نہ کوئی مشہور و معروف سردار صبح کی نماز پڑھنے کے لئے نکلتے وقت آپ کو چھری سے مار دیا۔ روم کا قیصر اور ایران کا کسریٰ جو کام نہ کر سکے۔ وہ ایک نہایت پاجی اور خبیث انسان نے منافقت سے کر دیا۔ لاکھوں فوجیں آپ پر چڑھ کر آئیں۔ اور دشمنوں نے آپ کی جان لینے کے لئے بڑا زور مارا۔ لیکن کچھ نہ کر سکے۔ اور وار چلایا تو ایک حقیر اور غیر معروف انسان نے جس کی کوئی طاقت اور حقیقت نہ تھی۔ پر وہ صرف نفاق کی وجہ سے کامیاب ہو گیا۔ تو بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے بہادر اور دلیر تھے۔ لیکن نفاق کا علاج ان کے پاس بھی نہ تھا وہ انسان جو میدان جنگ میں موت کی ذرا پرواہ نہیں کرتا۔ اور بہادرانہ اپنی تلوار چلاتا ہے۔ اس کو اگر کوئی دھوکہ سے زہر دیدے تو اس کا وہ کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔ منافق کا حملہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔ وہ اندر ہی اندر اور خفیہ طور پر نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اول اگر بادشاہ کو اپنے دشمن کا علم ہو تو وہ اپنے ساتھ فوج رکھیگا۔ اور ہر وقت چوکس رہیگا۔ لیکن اگر وزیر ہی اس کی جان کا پیاسا ہو تو اس کا وہ کوئی علاج نہیں کر سکیگا کیونکہ اس کی [illegible] نے اس کے نفاق پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منافق کا حملہ بہت سخت ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں اسی وجہ سے منافق کو بہت برا کہا گیا ہے۔ ایک طرف نفاق کے نقصان کی اہمیت کو دیکھ کر ایک رذیل سے رذیل انسان بڑے بڑے بہادروں اور جانبازوں کی جان لے سکتا ہے۔ اور ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جہاں ہزاروں جانیں نثار کرنے والے تھے وہاں ایسے لوگ بھی موقعہ پاکر جو صرف اس بات کے منتظر رہتے تھے کہ موقعہ ملے تو حملہ کریں اور پھر ایسے ان کو [illegible] میں بھی بات [illegible] کا موقعہ دیتے تھے۔ تو ان باتوں [illegible] آپ کے [illegible] کی [illegible]

نہ آپ کے پاس تیغ و سناں تھے۔ نہ سپاہ تھی۔ پھر پتہ لگتا ہے کہ آپ کا کس قدر شکوہ پر رعب اور علیہ تھا۔ بادشاہت اور حکومت کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شوکت کہاں تھی۔ جو حضرت عمرؓ کی تھی۔ مگر ان پر باوجود اتنے رعب کے بھی چھری چلا ہی دی گئی۔ اس کے مقابلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔ کہ کتنا بڑا جتھا منافقین کا آپ کے اردگرد رہتا تھا مگر ان کی بات کرتے ہوئے بھی جان نکلتی تھی۔ وہ اکیلے اور تنہا آپ سے ملتے تھے مگر کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ ہاتھ اٹھانے کی جرأت کر سکے۔ وہ سب آپ کی نظر اٹھانے سے ہی بھاگ پڑتے تھے۔ یہ خدا تعالےٰ کی طاقت اور قدرت تھی۔ جو کہ آپ کی زندگی میں نظر آتی ہے۔ ورنہ جو حیثیت انسان حضرت عمرؓ کو قتل کرنے میں کامیاب ہوا۔ وہ آسانی سے آپ پر حملہ کرنے کا مرتکب ہو سکتا تھا۔

یہ جو آیت میں نے پڑھی ہے۔ اس میں منافقوں کا ذکر ہے منافق لوگوں کے دلوں میں اتنا ڈر رہتا ہے۔ کہ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے خادم ہیں۔ ہم اپنی جان اور مال سے تمہاری مدد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن جب جدا ہوتے ہیں۔ تو آپس میں کہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں سے زیادہ گھل کر باتیں مت کیا کرو۔ پھر وہ ہمیں تکلیف دیں گے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ کیا ان کو معلوم نہیں۔ کہ ہم ان کی تمام باتوں کو جانتے ہیں۔ جو کہ چھپاتے ہیں یا جن کا اظہار کرتے ہیں۔

ہمارے زمانہ میں بھی منافقوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا۔ جو کہ خدا تعالےٰ نے اپنے فضل سے ہم سے جدا کر دیا ہے۔ پچھلے دنوں میں نے رویاء میں دیکھا تھا۔ کہ ایک بڑا عظیم الشان مکان ہے۔ اس میں کچھ سوراخ ہیں۔ اور اس کی چھت میں دو تین کڑیوں کی جگہ خالی ہے۔ مجھے یہ بتایا گیا کہ یہ جگہ خالی نہیں۔ بلکہ یہاں کے منافق ہیں۔ اس کے بعد خدا تعالےٰ نے ان میں سے کچھ لوگوں کو نکال دیا۔ پانچ چھ دن ہوئے کہ رویاء میں مجھے ایک اور

شخص دکھایا گیا ہے۔ ایک مکان میں مَیں تہجد کی نماز پڑھ رہا ہوں۔ میرے دل میں کھٹکا پیدا ہوا۔ کہ کوئی شخص چوری کے ارادے سے اس مکان میں داخل ہوا ہے۔ میں اس خیال سے کہ وہ کوئی چیز نہ چرا لے۔ جلدی نماز ختم کر کے اس کی طرف بڑھا۔ تو وہ بغیر کوئی چیز اٹھانے کے بھاگ گیا۔ اُس وقت اس نے چوروں کی طرح تمام کپڑے اُتار کر صرف لنگوٹی باندھی ہوئی تھی۔ میرے دل میں یہ ڈالا گیا کہ یہ منافق ہے جو کہ نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ لیکن پہنچا نہیں سکے گا۔ تو منافق خفیہ خفیہ اپنی کارروائی میں لگے رہتے ہیں۔ اور وہ خود بھی بڑی مشکلات میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہیں دونوں طرفوں کو خوش رکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے وہ ایک طرف کی باتیں دوسری طرف اور اُن کی باتیں دوسروں کی طرف پہنچاتے رہتے ہیں۔ اور اس بات سے بھی ڈرتے ہیں۔ کہ یہ بات نہ کھل جائے۔ اس لئے وہ بچ بچ کر اور پوشیدہ طور پر باتیں کرتے ہیں۔ اور نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔ لیکن جب کوئی کام اللہ تعالیٰ کی منشاء کے ماتحت ہو رہا ہو۔ تو وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ منافق انسان کی حالت دین اور دُنیا دونوں میں خراب اور ابتری رہتی ہے۔ کیونکہ کوئی ان کا اعتبار نہیں کرتا۔ بہت سے ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ کسی بادشاہ نے رشوت کا لالچ دیکر کسی کو قتل کروا دیا۔ لیکن جب وہ انعام لینے آیا تو اس کو یہی انعام ملا۔ کہ قتل کر دیا گیا۔ تو دانا انسان منافق کا کبھی اعتبار نہیں کرتا۔ اور منافق کبھی سکھ نہیں پاسکتا۔ میں ایسے انسان کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ خدا تعالے نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ہمارا کچھ نقصان نہیں کر سکیگا۔ اور اس کے پاس صرف لنگوٹی ہی رہ جائیگی وہ سمجھ جائے اور منافقت سے باز آجائے۔ ورنہ اللہ تعالےٰ ہر ایک پوشیدہ اور ظاہر بات کو جانتا ہے۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ میں اپنے نفاق کو پوشیدہ رکھ سکونگا خدا تعالےٰ ضرور اس کی باتوں کو ایک دن ظاہر کر دے گا۔ اور پھر اسے منہ دکھانا بھی مشکل ہو جائے۔ مجھے ایک واقعہ یاد کر کے مزا آجاتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کس طرح پوشیدہ باتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ میں نے اخبار میں پڑھا کہ کچھ بنگالی طالب علم فرانس کے

کسی شہر کے ہوٹل میں کھانا کھا رہے تھے۔ اور ایک کشمیر کی نقلیں اُتار رہے تھے
کہ وہ یوں یوں کیا کرتا تھا۔ جب وہ باتیں ختم کر چکے تو ایک آدمی جو کہ ان کے سامنے
بیٹھا ہوا تھا۔ اُٹھ کر ان کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ میں آپ سے معافی مانگتا ہوں
کہ ایسی حرکات مجھ سے ہی سرزد ہوتی رہی ہیں اس شخص کے اچانک بول اُٹھنے سے
وہ سخت شرمندہ ہوئے۔ اور معافی مانگی تو خدا تعالےٰ بڑے بڑے بھید ظاہر کر دیتا
ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک صحابی نے اپنے رشتہ داروں کو مکہ
میں مسلمانوں کے حملہ کرنے کی خبر پوشیدہ طور پر پہنچانی چاہی۔ تاکہ اس ہمدردی کے
اظہار کی وجہ سے وہ اس کے رشتہ داروں سے نیک سلوک کریں۔ لیکن آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو الہام کے ذریعہ یہ بات بتا دی گئی۔ کہ آپ نے حضرت علیؓ اور چند
ایک اور صحابہ کو بھیجا کہ فلاں جگہ ایک عورت ہے۔ اس سے جا کر کاغذ لے آؤ۔ انہوں
نے وہاں پہنچ کر اس عورت سے کاغذ مانگا۔ تو اس نے انکار کر دیا۔ بعض صحابہ نے
کہا۔ کہ شائد رسول کریم صلعم کو غلطی لگی ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ نہیں آپؐ کی بات
کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس سے وہ کاغذ نہ لے لیں یہاں سے نہ ہٹو نگا
انہوں نے اس عورت کو ڈانٹا۔ تو اس نے وہ کاغذ نکال کر دے دیا۔ تو منافق
خواہ کتنا ہی چھپائے۔ وہ ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ اور وہ خود بخود ذلیل ہو جاتا ہے چنانچہ
منافقوں نے آپس میں ایک دوسرے کو کہا۔ کہ تم اپنے دل کی باتیں مسلمانوں کو کیوں
بتاتے ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ان کو تقویت حاصل ہو جائے گی۔ اور وہ ہمیں نقصان
پہنچائیں گے۔ یہ ایسی ہی بات ہے۔ کہ منافق ایک دوسرے کو ڈانٹتے ہیں۔ کہ کسی
کو کوئی بات نہ بتانا۔ لیکن خود انہیں مجبوراً بتانی ہی پڑتی ہے۔ مومن ہمیشہ بہادر
اور دلیر ہوتا ہے۔ نفاق بزدلی اور ڈر کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ لیکن جو انسان خدا
تعالےٰ پر یقین رکھتا ہے۔ اس کا کوئی کچھ نقصان نہیں کر سکتا۔ اسی لئے وہ کسی سے ڈرتا
بھی نہیں۔ پس مومن کے دل میں جو بات ہو اسے چاہیئے۔ کہ اچھی طرح اور بہادری سے
اس کا اظہار کر دے۔ اور جو نہ مانے اس کو چھوڑ دے۔ مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی

کہ آجکل لوگ کونسی بات کے ڈر سے نفاق کا پردہ اوڑھے ہوئے ہیں اور سچی بات کے اظہار کی طاقت نہیں رکھتے۔ ایسے پُر امن زمانہ میں جبکہ کوئی کسی کو کچھ تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ اگر کسی کی طبیعت نفاق کی طرف جھکتی ہے۔ تو وہ بہت ہی بدفطرت انسان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گو تلوار سے کسی پر رعب اور ڈر نہ ڈالتے تھے۔ لیکن چونکہ آپ کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس لئے کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ اس ڈر سے بعض اشخاص منافقت اختیار کئے ہوئے تھے۔ لیکن اب تو امن وامان کا زمانہ ہے۔ اس لئے اب اگر کوئی منافقت کرتا ہے۔ تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منافق سے ہزار درجہ زیادہ منافق ہے۔

اللہ تعالےٰ ہماری جماعت کو آئندہ منافقوں سے بچائے۔ اور جس طرح اس نے بعض منافقین کو جدا کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر اور کوئی ہو۔ تو اس کو بھی نکال کر ہم سب میں اتفاق پیدا کر دے۔

خطبہ جمعہ

فرمودہ ۲؍ اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء

قرآن کریم کے معنی سیکھو اور اس پر عمل کرو!

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ

بہت لوگ اللہ تعالےٰ کے کلام کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے دل میں خدا تعالےٰ کے کلام کی حقیقت سمجھنے کی خواہش ہی پیدا نہیں ہوتی۔ اگر کسی دوست کسی رشتہ دار یا کسی عزیز کا خط آجائے تو لوگ بڑی توجہ اور خوشی سے اس کو پڑھتے ہیں۔ اور اگر خود پڑھنا نہ آتا ہو۔ تو اس کے پڑھوانے

کے سلئے بھاگے پھرتے ہیں۔ اور کئی کئی میل پر بھی جاتے۔ اور پڑھوا کر سنتے ہیں۔ اُن پڑھوں کو تو دیکھا ہے ناکہ ایک دفعہ کے سننے سے ان کی تسلّی نہیں ہوتی۔ بلکہ کئی کئی آدمیوں سے پڑھواتے اور سنتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک کلام آیا۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک کتاب آئی۔ احکم الحاکمین کی طرف سے ایک خط آیا۔ مگر اُس کے پڑھنے اور پڑھوا کر سننے کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ باپ۔ بھائی۔ عزیز۔ دوست۔ خاوند۔ بیوی کا خط ہو تو لوگ فوراً پڑھتے ہیں یا اگر نہیں پڑھ سکتے۔ تو کسی سے پڑھواتے ہیں۔ مگر اللہ تعالےٰ کا کلام ان کے پاس پڑا رہتا ہے۔ اس کو دیکھتے بھی نہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اُسے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ یا بناوٹ اور فریب خیال کرتے ہیں بلکہ وہ اس بات کا پختہ یقین رکھکر کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ پھر بھی توجہ نہیں کرتے۔ لاکھوں لاکھ ایسے مسلمان ہیں۔ جن کے گھروں میں قرآن مجید ہوگا ہی نہیں۔ پھر لاکھوں لاکھ ایسے ہیں۔ جن کے گھروں میں قرآن رکھا ہوا ہے۔ تو کبھی اُس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ اور طاق پر پڑے پڑے اس پر گرد جم گیا ہے۔ پھر لاکھوں لاکھ ایسے ہیں۔ کہ اگر قرآن پڑھتے ہیں۔ تو ایسے رنگ میں کہ معنی نہیں جانتے۔ اور اس طوطے سے زیادہ ان کے پڑھنے کی حقیقت نہیں ہوتی۔ جو خود ہی متکلّم اور خود ہی مخاطب ہوکر کہتا ہے۔ کہ "میاں مٹھو چوری کھائی ہے"۔ وہ قرآن پڑھتے ہیں۔ لیکن پڑھتے میں انہیں کوئی لطف اور مزا نہیں آتا۔ نہ ان کی تسلّی ہوتی ہے۔ نہ انہیں قرآن سے محبّت پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ یونہی ورق اُلٹتے جاتے ہیں۔ ان کے دل میں یہ وہم بھی نہیں ہوتا۔ کہ ہم محبّت۔ شوق اور عمل کرنے کے ارادہ سے قرآن کو پڑھتے ہیں۔ وہ ایک قصہ یا وظیفہ سمجھکر پڑھتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ لوگوں میں بعض ایسے وظیفے مشہور ہیں۔ جن کے متعلق وہ کہتے ہیں۔ کہ اُن کے پڑھنے سے مال و دولت بڑھتی ہے۔ لیکن یہ وظیفے ایسے لغو اور بے معنی ہوتے ہیں۔ کہ ان کے الفاظ کے کچھ معنی ہی نہیں بنتے۔ لیکن پھر بھی لوگ انکے مفید ہونیکا اعتقاد رکھکر انکو پڑھتے رہتے ہیں۔ اسطرح لوگ قرآن پڑھتے ہیں جو کہ ان کے نزدیک ایک

بے معنی الفاظ کا وظیفہ ہوتا ہے۔ اللہ! مسلمان اور وہ مسلمان جن کی کتاب میں اس بات پر حیرت ظاہر کی گئی ہو۔ اور اللہ نے یہود پر یہ الزام لگایا ہو۔ کہ یہودی بھی کوئی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ تو ایک انپڑھ جماعت ہے۔ جو کہ توریت کے معنی نہیں سمجھتی انہوں نے تو اپنے خیالات کو ہی مذہب بنا یا ہوا ہے۔ اور نہیں جانتے کہ مذہب ہوتا کیا ہے۔ انہوں نے سُن لیا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی اُمت ہیں۔ اس لئے یہودی کہلانے لگ گئے۔ انہیں تو کتاب کا علم ہی نہیں۔ اور یہ اسے سمجھتے ہی نہیں انہوں نے کچھ جھوٹی موٹی باتیں سُنی ہوئی ہیں۔ یا جو ان کے اپنے خیالات ہیں انہی پر انکے مذہب کا دار ومدار ہے

مسلمانوں کی حالت

اب مسلمانوں کے مذہب کا دار و مدار بھی روایت اور خیالات پر آ گیا ہے۔ قرآن مجید نے جو اعتراض یہود پر کیا تھا۔ کیا آج مسلمانوں کے گھروں میں وہ بات صادق نہیں آرہی۔ میں نہیں سمجھتا کہ مسلمانوں میں سے ایک فیصدی بھی قرآن پڑھنے والے ہونگے۔ اور میں یقین نہیں کرتا۔ کہ لاکھ میں سے پانچ بھی ایسے ہونگے۔ جو قرآن شریف کے معنی جانتے ہونگے یہاں اتنے آدمی بیٹھے ہیں۔ ان میں سے بھی نصف کے قریب ایسے نکلیں گے۔ جو ترجمہ نہیں جانتے۔ حالانکہ یہاں اس قدر قرآن شریف پڑھا یا جاتا ہے۔ کہ دنیا کے کسی اور جگہ نہیں پڑھا یا جاتا۔ تو مسلمانوں کا ایک کثیر حصہ ایسا ہے جو نہیں جانتا کہ قرآن میں کیا لکھا ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ کہتے ہیں۔ کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہم جنت میں جائینگے۔ "کیا انہوں نے مسلمانوں کے گھر پیدا ہو کر جنت میں جانے کا ٹھیکہ لے لیا ہے؟ ان کا مذہب محض سُنی سُنائی باتوں۔ روایتوں اور خیالات پر رہ گیا ہے۔ جو کچھ مولوی انہیں سناتے ہیں وہی مان لیتے ہیں۔ ایک دوست نے مجھے سنایا۔ کہ کچھ مسلمانوں میں بحث ہو رہی تھی۔ کہ مسلمین کے کیا معنی ہیں۔ اور مسلمان کے کیا۔ تو آخر یہ فیصلہ ہوا۔ کہ مسلمین وہ مسلمان ہوتے ہیں۔ جو پرانے ہوں۔ اور مسلمان وہ جو نو مسلم ہوں۔ تو مسلمان عربی زبان سے اتنے ناواقف ہو چکے ہیں۔ کہ یہ بھی نہیں جانتے۔ کہ اگر سے پڑھا جائے۔ تو اور معنی ہوتے ہیں۔ اور ج سے پڑھا جائے تو اور اکثر مسلمان

تو صحیح معنوں میں یہ بھی نہیں جانتے۔ کہ قرآن کیا ہے۔ اور دین کیا ہوتا ہے۔ آیا کوئی خدا سے کتاب آئی بھی ہے یا نہیں۔ اور اگر آئی ہے تو اس کا مطلب کیا ہے کسی گاؤں میں جاکر پوچھ لو۔ وہاں ایسے ایسے شریعت کے مسئلے رائج ہو گئے ہیں کہ سن کر حیرت آجائے گی۔ نئی سے نئی شریعتیں بنی ہوئی ہیں۔ اور ملا لوگ جھٹ پٹ نیا مسئلہ گھڑ دیتے ہیں۔ ایک مدت سے مجھے ایک مسئلہ حیران کر رہا ہے۔ اور کئی خطوط آچکے ہیں کہ میں نے فلاں کام کیا تھا۔ مولوی صاحب کہتے ہیں۔ کہ تمہارا نکاح ٹوٹ گیا ہے نہ معلوم ہر ایک کام کا نکاح سے کیا تعلق ہے۔ کہ جھٹ ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن مولوی کچھ نہ کچھ تعلق نکال ہی لیتے ہیں۔ اور عجیب وغریب شریعت کے مسئلے بنا لیتے ہیں۔ مگر بڑے شرم کی بات ہے۔ کہ قرآن شریف نے تو یہود پر یہ اعتراض کیا تھا۔ کہ کتاب نہیں جانتے۔ یعنی یہ نہیں جانتے۔ کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ ان کے نہ جاننے کی وجہ یہ تھی کہ اصل تو ریت عبرانی میں تھی۔ اور یہود عبرانی سے بہت کم واقف تھے کیونکہ وہ بہت کم بولی جاتی تھی اسلئے متروک ہو گئی تھی لیکن تعجب ہے کہ عربی تو بڑی کثرت سے بولی جاتی ہے عرب میں مصر میں طرابلس میں۔ مراکش میں۔ الجیریا میں۔ ٹیونس میں عربی زبان ہی بولی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے علاقے ہیں۔ جہاں کی زبان عربی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو قرآن شریف سمجھنے کے لئے وہ دقتیں نہ تھیں۔ جو یہود کو تھیں۔ لیکن پھر بھی یہود کی نسبت خدا تعالے فرماتا ہے۔ کہ یہ ایسی ردی قوم ہے۔ کہ نہیں جانتی۔ کہ کتاب میں کیا کیا لکھا ہوا ہے۔ اور اپنے خیالات پر چل رہی ہے۔ مگر آجکل مسلمانوں کی حالت ان سے بھی بدتر ہو چکی ہے۔ ہر ایک گاؤں اور شہر میں الگ الگ اسلام بن گیا ہے جو کہ بہت افسوس ناک اور شرم کی بات ہے۔ کیا فائدہ ہے۔ اس مسلمان کے جینے کا جو مسلم کہلاتا ہے۔ اگر باوجود مسلم کہلانے کے نہیں جانتا۔ کہ مسلم کے معنی کیا ہیں۔ مسلم کہلاتا مگر ایک دفعہ بھی اس کتاب کے پڑھنے کی طرف توجہ نہ کرتا۔ جس کو خدا تعالے نے لوگوں کے مسلم بنانے کے لئے بھیجا ہے۔ تو کیوں پھر مسلمان اس مندرجہ بالا آیت کے مصداق نہ ہوں ÷

احمدی جماعت کو نصیحت

ہماری جماعت کے آدمیوں کو چاہیئے۔ کہ خواہ کوئی اسی برس کا بوڑھا ہی کیوں نہ ہو۔ پھر بھی قرآن کریم کے پڑھنے اور معنی سیکھنے کی کوشش کرے۔ کون کہتا ہے۔ کہ بڑی عمر میں پڑھا نہیں جاتا۔ جس طرح وہ دنیا کے کاموں میں محنت کرتے۔ اور مشکلات اٹھاتے اور وقت صرف کرتے ہیں۔ اگر اس کا نصف حصہ بھی قرآن شریف کے سیکھنے میں لگائیں۔ تو سیکھ سکتے ہیں۔ یہ ہر ایک احمدی کا فرض ہے کہ کم از کم قرآن شریف کا تو ترجمہ پڑھ لے اور انسان اور باخدا انسان بنے نہ کہ میاں مٹھو بنے۔ قرآن شریف کے معنی نہ سمجھنا اور یونہی پڑھنا میاں مٹھو بننا ہے۔ پس تم ترجمہ سیکھو اور معنی اور مطلب سمجھو۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالےٰ نے کیا حکم دیتا ہے۔ تم قرآن کے بامعنی پڑھنے کی کوشش کرو۔ یہود کی طرح نہ بنو۔ کیونکہ یہ صفت یہود کی ہے۔ کہ توریت ان کے پاس موجود تھی۔ مگر وہ اس کے معنے نہیں جانتے تھے۔ تم مسلمان بنو۔ اور مسلمان ہو کر قرآن کے معنے سیکھو جب سیکھ جاؤ گے۔ تو اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرو گے۔ اور جب عمل کرو گے۔ تو خدا تعالےٰ کے مقرب بن جاؤ گے۔ اپنا وقت نکال کر بوڑھے۔ جوان۔ عورتیں بچے قرآن سیکھیں۔ اور جہاں موقع پائیں کوتاہی نہ کریں۔ احمدی جماعت کو شرم کرنی چاہیئے۔ کہ ابھی تک بہت حصہ نے قرآن نہیں سیکھا۔ ہمارے لئے دقتیں بھی ہیں۔ کہ احمدی بڑی عمر کے لوگ ہوتے ہیں۔ جن کی تربیت اور پڑھنے کا زمانہ گذر چکا ہوتا ہے۔ مگر صحابہ میں ایسے آدمی بھی پائے جاتے ہیں۔ جنہوں نے بڑی عمر میں ہی دوسرے مذاہب کی کتابوں کو پڑھ کر فائدہ اٹھایا۔

انگلستان میں ایک لاطینی زبان کا بڑا ماہر ہوا ہے۔ جس نے ستر برس کی عمر میں علم سیکھا تھا۔ تو قرآن کا ترجمہ سیکھو۔ تاکہ خدا تعالےٰ کے وعید میں نہ آؤ۔ جن کو قرآن آتا ہے۔ وہ دوسروں کو پڑھانے کی کوشش کریں۔ اور جن کو نہیں آتا۔ وہ پڑھنے کی کریں۔ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آنے کی

وجہ یہی تھی کہ لوگ یہودی ہو گئے تھے۔ اگر آپ کے آنے کے بعد بھی کوئی یہودی رہتا ہے۔ تو وہ آپ کی بعثت کی غرض سے بالکل بے بہرہ ہے۔ صحابہ کرام سب مسائل سے واقف تھے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ عربی زبان جانتے تھے۔ اس لئے مسائل سے واقف ہو گئے تھے۔ تو یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اب عربوں کو جا کر دیکھ لو۔ کہ قطعاً قرآن نہیں جانتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح رضی اللہ عنہ فرماتے۔ کہ ایک عالم نے زندہ جانور کا گوشت کاٹ کر پکا لیا۔ میں نے شکایت کی۔ تو شریف مکہ نے کہا۔ کہ یہاں مکہ میں تو ایسے آدمی رہتے ہیں۔ جو کہ صحیح کلمہ بھی نہیں پڑھ سکتے۔ تم جو احمد کی طرف منسوب کئے جاتے ہو۔ ایسے بن جاؤ۔ کہ مکمل احمدی اور محمدی ہو جاؤ۔ ورنہ اگر محمدی ہونا کسی کے لئے مفید نہیں ہو سکتا تھا محمدی ہونا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی کتاب سیکھو اور اس پر عمل کرو۔

دعا۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو اس بات کی توفیق دے۔ آمین

خطبہ جمعہ

فرمودہ ۱۹ ستمبر ۱۹۱۴ء

قرآن کریم کے صحیح معنی کرو!

کبھی اپنی طرف سے زائد بات نہ ملاؤ!

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ

اللہ تعالیٰ یہود کی ایک اور خصلت بیان فرماتا ہے۔ کہ ایک بات لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں۔ کہ یہ ہماری طرف سے نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ اس سے ان کی غرض ہوتی ہے۔ کہ کچھ مال مل جائے۔ آمدنی ہو جائے۔ عزت بڑھ جائے۔ یہود بھی بہت

کثرت سے اس قسم کے قصے معجزات اور آیات مشہور ہیں۔ اور بڑی بڑی کتابیں پائی جاتی ہیں جنکی کوئی اصلیت نہیں ہوتی۔ لیکن وہ خدا کی طرف انبیاء اور اولیاء کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس وقت یہودیوں کے تمام عملیات کا دارومدار ایک کتاب پر ہے۔ جو کہ حضرت مسیح کے بہت بعد کی لکھی ہوئی ہے۔ ٹائٹس نے جب یروشلم کو تباہ کیا۔ تو یہود نے ایک جگہ جمع ہو کر یہ کتاب اسلئے تیار کی۔ کہ ہماری حکومت تو تباہ ہو چکی ہے۔ اور بیت المقدس بھی برباد ہو چکا ہے۔ اب مذہب بھی نابود نہ ہو جائے۔ اسوقت جو اقوال ان لوگوں کو یاد تھے وہ ایک جگہ جمع کر دئیے گئے۔ ہمیں ایسے ایسے عجیب و غریب قصے کہانیاں اور واقعات درج ہیں کہ پڑھ کر حیرت آتی ہے۔ لیکن ان میں سے وہ کچھ نبیوں کی طرف کچھ اولیا کی طرف اور دوسرے اور بزرگوں کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اگر وہ ایسا نہ کریں۔ تو اس کتاب کو کوئی بھی نہ مانے۔ اور اس کے جمع کرنے والوں کی کوئی عزت نہ کرے۔ اور نہ ہی انہیں کچھ روپیہ مل سکے اس کتاب کے جمع کرنے والوں کی عزت تو ہوئی ہی ہوگی۔ لیکن انہوں نے روپیہ بھی بہت حاصل کیا ہوگا۔ اور اب بھی کما رہے ہیں۔ میں نے سُنا ہے۔ کہ ابھی یہ کتاب ولایت میں چھپی ہے۔ جس کی قیمت ڈیڑھ سو روپیہ رکھی گئی ہے مسلمانوں میں بھی یہ صفت پائی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کہ مسلمان بھی ایک وقت میں یہود کی طرح ہو جائیں گے۔ آج مسلمانوں میں بھی یہودیوں کی یہ صفت پائی جاتی ہے۔ عجیب عجیب قسم کے قصے اور کہانیاں لکھتے ہیں۔ پھر ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ خداوند تعالے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور اسلام کی تائید میں یہ نشانات ظاہر فرمائے تھے۔ حالانکہ بالکل جھوٹ اور افترا ہوتا ہے۔ کوئی عربی نام لکھتا ہے۔ کوئی کوہ کا قصہ گھڑتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو کر اس نے بڑا فصیح و بلیغ عربی قصیدہ پڑھا تھا۔ تو عجیب و غریب جھوٹے قصے بناتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ یہ نشانات خداوند تعالیٰ کی طرف سے

آئے تھے۔ جن سے اسلام کی تائید ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ اسلام کی ذلت اور بدنامی کا باعث ہوتے ہیں۔ پھر مسلمان قرآن شریف کی ایسی تفسیر کرتے ہیں کہ ایک واقعہ جس کا کوئی ذکر نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہوتا۔ صحابہ کرامؓ کی اس کے متعلق کوئی شہادت نہیں ہوتی لیکن مفسر صاحبان اپنی طرف سے جھوٹا واقعہ درج کر دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ خدا تعالے نے یہ فرمایا ہے۔ حالانکہ محض افترا ہوتا ہے۔ ہمارے مقابلہ میں جو مسلمان

ہمارے مخالف

ہیں۔ ان کو ہی دیکھ لو۔ ہماری مخالفت میں بڑی بڑی کتابیں لکھتے ہیں۔ اور دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ قرآن کی رو سے ہم نے حیات مسیح کو ثابت کر دیا ہے۔ لیکن اگر ایک دلیل بھی قرآن میں کی ان سے پوچھی جائے۔ تو نہیں بتا سکتے۔ لیکچروں اور وعظوں میں بڑے زور سے کہتے ہیں۔ کہ ہم نے قرآن سے مسیح کا زندہ ہونا ثابت کر دیا ہے۔ جو کہ محض جھوٹ ہوتا ہے اور وہ اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ تعالے کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اس طرح کرنے سے ان کی یہ غرض ہوتی ہے۔ کہ شہرت ہو۔ کتابوں کی بکری زیادہ ہو۔ تو ایسا بہت لوگ کرتے ہیں۔ کہ اپنی طرف سے قصے گھڑ کر بیان کر دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالے کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ بارہا ایسا ہوا ہے۔ کہ ایک ایسی آیت مسیح کی حیات پر پڑھ دیتے ہیں۔ جس کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ لیکن وہ یہی کہے چلے جاتے ہیں۔ کہ اس سے حیاتِ مسیح ثابت ہوتی ہے۔ ایک مرحوم دوست کو یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آپ کے دعویٰ سے پیشتر براہین احمدیہ کے پڑھنے کی وجہ سے اخلاص رکھتا تھا۔ جب آپ نے دعویٰ کیا۔ تو وہ آپ کے پاس آیا اور کہا۔ کہ آپ تو بڑے متقی ہیں یہ کیا دعویٰ قرآن کے خلاف کر دیا ہے میں سمجھتا ہوں۔ کہ آپ کو دھوکا لگا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر قرآن سے یہ بات غلط ثابت کر دو۔ تو میں مان لوں گا۔ اس نے کہا کہ میں حیاتِ مسیح کی بیسیوں دلیلیں قرآن شریف سے آپکو دکھا سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک ہی لاؤ۔ اس کی

دوستی محمد حسین بٹالوی سے بھی تھی۔ وہ اُس کے پاس آیا۔ اور کہا کہ مرزا صاحب تو بڑے نیک آدمی ہیں۔ اُنہوں نے میری بات مان لی ہے۔ اور جھگڑا بالکل طے ہو گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک ہی آیت قرآن سے حیاتِ مسیح کی نکال دو۔ تو میں مان لونگا۔ پس آپ مجھے کچھ آیات نکال دیجئے۔ تا کہ ان کو جا کر بتاؤں مولوی محمد حسین یہ سن کر اس کو گالیاں دینے لگ گیا۔ اور کہا کہ تم وہاں کیوں گئے تھے آخر کار جب مولوی محمد حسین نے باوجود اُس کے اصرار کے ایک دلیل بھی قرآن شریف سے نہ بتائی۔ تو اُس نے سمجھ لیا۔ کہ کوئی دلیل ہے ہی نہیں۔ اسلئے اس نے آکر بیعت کر لی۔ تو یہ لوگ قرآن شریف سے کوئی دلیل نہیں بتا سکتے لیکن اگر یہ سوال پوچھا جائے۔ تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ قرآن شریف کے خلاف ہے اگر پوچھو۔ کہ قرآن کی کس آیت کے خلاف ہے۔ تو کہتے ہیں کہ فلاں تفسیر میں لکھا ہے۔ فلاں مولوی صاحب کہتے ہیں۔ تو یہ لوگ اپنی طرف سے بات بنا کر خدا تعالےٰ کی کتاب یعنی خدا تعالےٰ ہی کیطرف منسوب کر دیتے ہیں۔ تا کہ لوگ غور اور توجہ سے ان کی باتوں کو سنیں۔ اور قدر کریں۔ عام طور پر احمدیوں کو یہ غیروں سے مباحثات میں یہ دقتیں پیش آتی ہے۔ اور مجھے خود بھی ایک دفعہ اس کا تجربہ ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے ہم چند آدمیوں کو ایک جگہ لیکچر دینے کیلئے بھیجا۔ راستے میں ایک مولوی سے مباحثہ ہو گیا۔ میں نے حافظ روشن علی صاحب کو گفتگو کرنے کیلئے کہا۔ حافظ صاحب نے بات چیت شروع کی۔ لیکن وہ مولوی یہی کہتا رہا۔ کہ بل رفع اللہ الیہ میں جو ہٗ کی ضمیر ہے۔ وہ کدھر جاتی ہے۔ حافظ صاحب نے اسکو کئی دفعہ جواب دیا۔ لیکن وہ بار بار یہی کہتا جائے۔ کہ میرے سوال کا جواب تو ابھی ملا نہیں میں آگے بات کس طرح کروں۔ اگر اس کا جواب دے دو۔ تو حیاتِ مسیح ثابت ہو جائے چند دن ہوئے ایک واعظ نے لکھا تھا کہ ایک مولوی صاحب نے جو کہ حافظ قرآن بھی تھے۔ مجھے یہ کہا۔ کہ قرآن کریم میں اتبعوا ملت ابراھیم حنیفا یعنے ابراہیم علیہ السلام اور امام حنیفہ کے دین کی پیروی کرو۔ تو ہم امام حنیف کے مذہب پر ہیں

یہ آیت اس نے اپنی طرف سے بنا کر کہہ دی۔ حالانکہ قرآن کریم میں ہرگز یہ آیت نہیں بلکہ مِلَّتَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفاً ہے۔ یعنی ابراہیم کے دین کی جو حنیف تھا پیروی کرو۔ تعجب ہے۔ کہ امام حنیفہ جو دو سو سال بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا ہوئے۔ ان کی پیروی کرنے کا حکم قرآن کریم میں درج بتاتے ہیں۔ تو یہ کس قدر جرأت اور بے باکی ہے کہ ایک فقرہ اپنے مطلب کا بنا کر اللہ تعالےٰ کی طرف اس کو منسوب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ایسی قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جو خود لکھ کر اس کو خدا کی طرف منسوب کرتی ہے اس لئے کہ آمدنی ہو۔ اور عزت بڑھے۔

مفتری کا انجام مگر ایسے لوگ کبھی سکھ میں نہیں ہوتے۔ ان کا کھانا۔ پینا۔ ذلت اور خواری کا ہوتا ہے۔ اور وہ دنیا میں ہی ذلیل ہو جاتے ہیں تم دیکھ لو۔ ایک زمانہ تھا۔ علماء کی وہ قدر کی جاتی تھی۔ کہ بادشاہ کی اُن کے سامنے مجال نہ ہوتی تھی۔ کہ کچھ کر سکے۔ اب تو ترکوں کو یورپ والے بدنام کر رہے ہیں۔ کہ بڑے ظالم اور بے رحم ہیں۔ لیکن ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ ایک ترک بادشاہ کسی بات سے ناراض ہو گیا۔ اور اس نے کہا۔ کہ میں قتل عام کروں گا۔ مگر جب شیخ الاسلام نے کہا کہ یہ ناجائز ہے۔ میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ تو بادشاہ نے شیخ الاسلام کے حکم کے آگے گردن جھکا دی۔ اور کچھ نہ بولا۔ تو اس وقت جب علماء میں اتقا اور پرہیزگاری ہوتی تھی۔ تو ان کی قدر بھی کی جاتی تھی۔ لیکن اب تو دو دو پیسے کو دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ جو اللہ تعالےٰ کے کلام کی قدر نہیں کرتا۔ اس کی بھی قدر نہیں کی جاتی۔ اِس لئے جب مسلمانوں نے قرآن شریف کے معنے بدلنے اور اس میں جھوٹے قصے کہانیاں ملانی شروع کی ہیں۔ اسی وقت سے ذلیل ہو رہے ہیں۔ تعجب آتا ہے کہ لوگوں میں اس حد تک کس طرح جرأت پیدا ہو گئی ہے۔ کہ جھوٹی آیتیں بنا کر شرارت سے لوگوں میں مشتہر کرتے ہیں۔ پنجاب کی ایک مشہور انجمن نے

جلسہ میں ایک دفعہ ایک لیکچرار صاحب بار بار ایک عربی عبارت کو دہراتے۔ اور کہتے تھے کہ یہ قرآن کی آیت ہے۔ حالانکہ وہ ہرگز قرآن کی آیت نہیں تھی۔ لیکن اس لیکچرار کو مولویوں سے سُن سُن کر اس قدر اس کے آیت قرآنی ہونے پر پختہ یقین ہو گیا تھا کہ اتنے مجمع میں پے در پے دہراتا تھا۔ لوگ جھوٹی آیتیں حدیثیں اور معجزے بنا لیتے ہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ ایسی قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

احمدی جماعت کو نصیحت ہماری جماعت میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے کہ بعض لوگ بڑی جرأت سے قرآن شریف کی آیات کے معنے کر لیتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ اسمیں شک نہیں کہ قرآن شریف میں غور اور تدبر کرنا عمدہ بات ہے اور جو لوگ اس بات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ مگر جو دل میں معنی آئیں۔ وہی کر دینے یہ بھی ہرگز درست نہیں ہے مسیح موعود علیہ السلام اسلئے آئے تھے کہ لوگ یہودی خصلت ہو گئے تھے۔ اور آپ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی منشاء کے تحت ہماری جماعت قائم ہوئی ہے۔ لیکن ہمارے لئے بھی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ جہانتک ممکن ہو قرآن شریف کے معنی کرنے میں احتیاط کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے معنی اور آپ کے افعال کے خلاف ہرگز کسی آیت کے معنے نہیں کرنے چاہئیں پھر صحابہ کرامؓ کا جن معنوں پر اتفاق ہو۔ ان کے خلاف نہیں ہونا چاہیئے پھر جو معنے لغت کیخلاف ہوں۔ انکے بیان کرنیکی بھی جرأت نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ قرآن شریف کے معنے کرنے کے قواعد ہیں۔ ان کے مطابق معنے ہونے چاہئیں بعض کم عقل کہتے ہیں۔ کہ خدا صرف ونحو کے قواعد کا پابند نہیں۔ گو خدا تعالیٰ کو صرف ونحو کی ضرورت نہیں۔ لیکن ہمیں تو ہے۔ اگر خدا تعالےٰ نے لغت اور قواعد زبان کے ماتحت کلام نازل نہیں فرمایا۔ تو ہم کس طرح اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ اسلئے ضروری ہے کہ وہ کلام جو ہمارے لئے نازل کیا گیا ہو۔ وہ انہی قواعد کو مدنظر رکھ کر اُتارا گیا ہو۔ جو کہ ہم جانتے ہوں۔ اور سمجھ سکتے ہوں۔ قرآن شریف کے معنے کرنے میں ان باتوں کا لحاظ رکھو کہ (۱) آیت کی تفسیر جو دوسری آیت نے کر دی ہے اسکو مدنظر رکھو (۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے جس آیت کے معنے فرمائے ہیں ان کو مانو (۳) اس تفسیر کو مانو۔ جو کہ نبی اللہ کا مامور کرے۔ اور الہام کے ذریعے اُسے جو کچھ بتایا گیا ہو (۴) پھر جن معنوں پر صحابہ کی کثرت رائے ہو (۵) پھر اپنے قیاس کے ماتحت معنی کرو۔ لیکن اس میں لغت اور صرف و نحو کا بڑا لحاظ رکھو۔ اور کبھی اپنی طرف سے زائد بات نہ ملاؤ کیونکہ ایسا کرنا خدا تعالےٰ کے غضب کو بھڑکا دیتا ہے۔ یہ یہود کی صفت ہے۔ خدا تعالےٰ نے مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ہماری اصلاح کی ہے۔ اس لئے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ ان قواعد سے ادھر اُدھر نہ ہونا۔ کیونکہ ایسے لوگ ذلیل ہو جاتے ہیں۔ جو خدا کی کلام کے جھوٹے معنے کرتے ہیں ؁

دُعا خدا تعالےٰ ہم سب کو اس سے بچائے۔ اور اپنے فضل و کرم سے قرآن شریف کے سمجھنے کیلئے صحیح فہم اور فراست عطا فرمائے ؁

خُطبۂ جمعہ

فرمودہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۴ء

نجات خدا کے فضل پر ہے

جس کا

جاذب اعمالِ صالحہ ہیں

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ؕ

نسلی اور قومی تعصب ہمیشہ سے دنیا میں چلا آیا ہے۔ ہر ایک قوم اپنی نسبت

چند ایسی خصوصیات تجویز کر لیتی ہے۔ جن کا دوسروں کیطرف منسوب کرنا وہ پسند نہیں کرتی۔ اسلام سے پیشتر کے جتنے مذاہب ہیں۔ ان تمام کو جب ہم دیکھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کو ایسا ہی محدود اور مخصوص کر رکھا ہے۔ جیسا کہ اور اپنے بڑے بڑے قومی آدمیوں کو۔ ان مذاہب کی کتب کا مطالعہ کرنے اور پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر قوم خدا کو اپنا مخصوص دیوتا سمجھتی ہے۔ چنانچہ یہود کبھی اس بات کو جائز نہیں سمجھتے۔ کہ اور دنیا کے لوگ بھی جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یا یہ کبھی پسند نہیں کرتے کہ کوئی یہودی بھی کبھی دوزخ میں جا سکتا ہے۔ یہی حال دوسری قوموں کا ہے۔ خواہ وہ زرتشتی ہوں یا سناتنی آریہ ہوں یا بدھ۔ تو ان مذہبوں نے اپنے لئے ایسی خصوصیات سمجھ لی ہوئی ہیں جن سے اور کسی کو متمتع ہونے کے قابل نہیں سمجھتے۔ اسلام نے ان تمام خصوصیات کو مٹا دیا ہے۔ اور صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا تمام مخلوقات کا خدا ہے۔ اور کسی خاص فرقہ سے خاص تعلق نہیں رکھتا۔ قرآن شریف بتاتا ہے۔ کہ نجات کا دار و مدار اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل پر رکھا ہے۔ اور فضل کے جاذب اعمال صالح کو رکھا ہے نیک اعمال فضل کو جذب کرتے ہیں۔ اور پھر فضل سے نجات ہوتی ہے۔ اور جب تک کوئی شخص خواہ وہ کسی مذہب میں کیوں نہ داخل ہو۔ اعمال صالح نہیں کرتا۔ اسلام اس کی نسبت کبھی نہیں کہتا۔ کہ وہ نجات پا سکتا ہے۔ اور نہ اسلام یہ کہتا ہے کہ خواہ کوئی کتنا ہی خدا تعالےٰ کے حضور گڑگڑائے عاجزی اور فروتنی دکھائے اعمال صالح کرے۔ اور متقی بن جائے۔ لیکن پھر بھی خدا تعالےٰ اس کو اپنے حضور سے اسلئے نکال دیتا ہے۔ کہ چونکہ تم فلاں قوم سے نہیں ہو۔ اس لئے تمہیں کچھ اجر نہیں مل سکتا۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ یہود کا قول بیان فرماتا ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ اول تو ہم کو آگ چھوئیگی نہیں۔ کیونکہ ہم خدا تعالےٰ کی برگزیدہ قوم کی اولاد سے ہیں بھلا یہ کبھی ہو سکتا ہے۔ کہ ہمیں عذاب دیا جائے۔ عذاب دینے

کیلئے کیا۔ اور مخلوق تھوڑی ہے۔ اور اگر ہم میں سے کسی کو عذاب دیا بھی گیا تو وہ بہت تھوڑا یعنی چند دن ہوگا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ ان سے پوچھو کہ کیا تم نے خدا سے عہد لیا ہے۔ کہ تمہیں عذاب نہیں ہوگا۔ اللہ تو اپنے عہد کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔ لیکن اصل بات یہ ہے۔ کہ تم جھوٹے ہو۔ اور وہ بات کہتے ہو جس کو تم جانتے نہیں۔ بدکار انسان ضرور سزا پائینگے۔ اور ابراہیم موسیٰ۔ ہارون۔ داؤد وغیرہ انبیاء کی نسل سے ہونا کسی کو عذاب سے بچا نہیں سکتا۔ اور مسلمانوں میں تو محمد (صلعم) کی نسل سے ہونا بھی کسی کو عذاب سے چھڑا نہیں سکتا۔ جبتک کہ نجات پانے کا جو راستہ ہے اس پر نہ چلا جائے۔ اور اس طریقہ کو نہ اختیار کیا جائے۔ جسکو اختیار کرکے داؤد داؤد بنا۔ ابراہیم ابراہیم کہلایا۔ موسیٰ موسیٰ ہوا۔ اور محمدؐ نے محمدؐ لقب پایا۔ جبتک کوئی انکی تعلیم پر عمل نہیں کرتا۔ خدا کے حضور اسے کوئی عزت اور کوئی رتبہ نہیں ملسکتا۔ اسلام نے یہ بتلا کر تمام قومی اور نسلی تعصبات کو تباہ کردیا ہے۔ کہ کسی خاص قوم اور خاص مذہب سے نجات وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ جو شخص خدا تعالیٰ کی رضاء کے راستہ کو اختیار کرتا ہے۔ وہی نجات پا سکتا ہے ایک ہندو ایک آریہ ایک عیسائی لاالہ اللہ محمد الرسول اللہ کہنے سے وہی حقوق پا سکتا ہے۔ جو دوسرے نیک اعمال کرنیوالے مسلمانوں کو ملتے ہیں۔ پھر وہ مسلمان جو خواہ کتنا ہی عالی خاندان کا ہو۔ درست اعمال نہ کرتا ہو کبھی نجات نہیں پا سکتا۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ یہود کی صفت اب مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہے یہود کی صفت یہ تھی۔ کہ انہوں نے کہا کہ خدا ہمیں کچھ مقررہ مدت تک عذاب دے کر آزاد کردے گا۔ یہ اب مسلمان علماء کا عقیدہ ہے عوام نے تو حد ہی کردی ہے سادات تو یہ بات سن ہی نہیں سکتے۔ کہ کبھی کوئی سید بھی دوزخ میں جائے گا۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ ہمارے لئے آل رسول ہونا ہی کافی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح مرحوم مغفور فرماتے کہ ہماری رشتہ دار ایک عورت یہاں آئی۔ تو میں نے اسکو کہا۔ کہ تم اپنے پیر سے یہ تو پوچھنا۔ کہ تمہاری بیعت کا ہمیں کیا فائدہ ہے۔ وہ جب واپس گئی اور جاکر پوچھا تو پیر صاحب نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم قادیان گئی ہو۔ اور نور دین نے تمہیں یہ بتایا

ہے۔ اُس نے کہا ہاں بتایا تو اُسی نے ہے۔ لیکن مجھے جواب دیجئے۔ وہ کہنے لگا۔ کیا تمہیں اس کا فائدہ معلوم ہی نہیں۔ قیامت کے دن جب تم سے سوال و جواب ہوگا۔ تو ہم کہیں گے کہ ان کی ذمہ واری ہم لیتے ہیں۔ ان کو چھوڑ دیا جائے۔ اور جو کچھ پوچھنا ہے۔ وہ ہم سے پوچھیئے۔ بس تم دوڑتی دوڑتی پل صراط سے گذر کر بہشت میں داخل ہو جاؤ گی۔ اور دُنیا میں خواہ تم کچھ کرو۔ ان سب باتوں کے جواب دہ ہم ہونگے اور تمہیں کوئی کچھ نہیں کہیگا۔ ہم سے جب تمہارے متعلق پوچھا جائیگا تو کہہ دیا جائیگا کہ کیا ایک امام حسین رضؓ کی قربانی ہمارے لئے کافی نہیں ہے۔ یہ سنکر اللہ لاجواب ہو جائیگا۔ اور ہم بھی بہشت میں چلے جائینگے۔ تو یہود نے تو یہی کہا تھا کہ ہمیں تھوڑے دن ہی آگ چھوئیگی۔ مگر مسلمانوں نے کہا۔ کہ ہمیں آگ بالکل چھوئیگی ہی نہیں۔ انہوں نے یہودیوں سے بھی بڑھ کر ایک قدم آگے مارا۔ یہ ایک بڑی بھاری مشابہت ہے جو آجکل کے مسلمانوں کو یہود سے ہو گئی ہے۔ عام فقیروں گدی نشینوں اور پیروں نے تو بعض بزرگوں اور اولیاء کی یہانتک طاقت بڑھا دی ہے۔ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) خدا ان سے ڈرتا ہے۔ سید عبدالقادر جیلانی کی نسبت اسی قسم کا ایک قصہ بنایا ہوا ہے کہ ایک بڑھیا کے لڑکے کو زندہ کرنے کیلئے اُنہوں نے جبرائیل سے تمام قبض شدہ روحوں کا تھیلا چھین لیا۔ اور جب وہ شکایت لیکر خداتعالےٰ کے پاس گیا۔ تو خداتعالےٰ نے کہا۔ کہ شکر کرو۔ کہ اسی پر خلاصی ہو گئی ہے۔ اگر وہ چاہتا تو آج تک کی تمام روحوں کو چھوڑوا دیتا۔ تو اس قسم کے لغو قصے کہانیاں بنا کر اتنا بڑھا دیا ہے کہ جسکی کوئی حد ہی نہیں رہی اسی بھروسہ پر وہ کہتے ہیں۔ کہ ہمیں آگ نہیں چھوئے گی ہمارے پیر صاحب ہماری طرف سے جوابدہی کریں گے۔ جب یہ خیال ہوا۔ تو پھر جو چاہیں کرتے رہیں۔ چوریاں کریں۔ ڈاکے ماریں۔ زنا کریں۔ فسق و فجور پھیلائیں۔ کسی کا ڈر ہی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمان باوجود آبادی کے لحاظ سے کم ہونے کے قید خانوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

ان پیروں فقیروں سے اُتر کر مولوی لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے جو گنہگار ہونگے

وہ تھوڑے دنوں عذاب میں رہ کر چھوٹ جائیں گے لیکن باقی تمام لوگ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں پڑے رہیں گے۔ اصل کا بھی وہی مطلب ہے۔ جو یہود یونکے کہنے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں نازل ہوں مسیح موعود علیہ السلام پر کہ انہوں نے ہمیں اس اعتقاد سے چھڑا کر سیدھا راستہ بتاو یا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ اس کے دل میں کسی قوم یا کسی مذہب کی طرف سے بغض نہیں کہ خواہ مخواہ اس کو دوزخ میں جھونک رکھے۔ دوزخ تو خداوند تعالیٰ نے علاج کی جگہ بنائی ہے جس طرح کہ گورنمنٹ ریفارمیٹری سکول بناتی ہیں اسی طرح دوزخ ہے جس وقت انسان گندے مواد سے جل کر پاک صاف ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو اس سے نکال دیتا ہے۔ باقی رہا یہ کہ صرف خدا دوزخ دکھا کر ہی مسلمان کو بہشت میں داخل کر دیگا۔ یہ محض جھوٹ اور کذب ہے۔ ایک مسلمان بدکار کو اسی طرح سزا دوزخ میں ملیگی۔ جس طرح کسی اور مذہب کے بدکار کو جس کو اس کی خطاؤں نے گھیر لیا ہوگا۔ پس ایسے لوگ دوزخ میں ضرور رہیں گے کیونکہ یہ دوزخ کے ہی قابل ہیں۔ خواہ کتنے بڑے اعلیٰ خاندان اور نسل کے ہوں۔ لیکن بدکار ہونے کی صورت میں اپنی بدکاری کی وہ ضرور سزا پائیں گے۔ بشرطیکہ وہ توبہ نہ کرلیں۔ یعنی توبہ کر کے ایمان لے آئیں اور عمل اچھے کریں۔ پس جب وقت ان کی یہ حالت ہو جائیگی تو ایسے لوگ جنت کے وارث ہو جائیں گے اور اسی میں رہیں گے۔

یہ بات خوب یاد رکھو کہ اسلام میں نجات خدا تعالیٰ کے فضل پر ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل کے موجب نیک اعمال ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی کہے۔ کہ فضل کا واسطہ کیوں رکھا ہے۔ اور کیوں نیک اعمال کی وجہ سے نجات نہیں ہو جاتی۔ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ انسان سے کچھ نہ کچھ غلطیاں بشریت کی وجہ سے سرزد ہو جاتی ہیں اگر ان پر خدا تعالیٰ گرفت کرنے لگے۔ تو کسی انسان کا نجات پانا محال ہو جائے۔ تو ایسی غلطیاں جو بشریت اور انسانی کمزوری کی وجہ سے انسان سے ہو جاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے ڈھانپ دیتا ہے۔ اور اپنے فضل کو انسان

کی نجات کا موجب بنا دیتا ہے۔ تم جو احمدی کہلاتے ہو۔ یہ کبھی مت خیال کرو۔ کہ ساری دنیا ہوز نی ہے۔ اور صرف ہم احمدی ہی نجات پائیں گے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ جو سلسلہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اسی کی نجات ہوتی ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا کہ ہم چونکہ احمدی ہو چکے ہیں۔ اس لئے خواہ کچھ بھی کرتے چلیں۔ ہمیں کوئی بھی نہیں پکڑیگا۔ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ یہ خوب یاد رکھو۔ کہ ہمیشہ سے نیک اعمال ہی خدا تعالیٰ کے فضل کے جاذب رہے ہیں۔ اس لئے نیک اعمال کے لئے کوشش کرو سستی غفلت اور لاپرواہی کو چھوڑ دو۔ کتنا بڑا کام ہے جس کے کرنے کے تم ذمہ وار ہو۔ پچھلے دنوں ایک چھوٹا سا فتنہ اچھے میں سے ہی جو اٹھا تھا۔ اور ابھی تک دور نہیں ہوا۔ تم میں سے کتنے ہیں۔ جو اس فساد کے دور ہونے کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ یہ تو ایک بہت معمولی سا کام ہے لیکن کتنے ہیں۔ جو اپنے بڑے عظیم الشان فرائض کی بجا آوری کی فکر میں ہیں۔ سن لو۔ اور دل کے کانوں سے سن لو۔ کہ انعام ہمیشہ کام کرنے والوں کو ہی ملا کرتا ہے۔ یوں کسی بات کا دعویٰ کر لینے سے کبھی کچھ نہیں ملا۔ پس تم احمدی ہونے سے نہیں۔ بلکہ احمدیت کے شرائط پورے کرنے سے نجات پا سکتے ہو۔ اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہو۔ تمہارا کام اتنا عظیم الشان ہے۔ کہ اگر خدا کی نصرت اور مدد کا یقین نہ ہو۔ تو انسانی عقل تو حیران رہ جاتی ہے۔ ایک سے دو سے مقابلہ نہیں بلکہ احمدیوں کا تمام دنیا سے مقابلہ ہے۔ اور اربوں ارب مخالفین سے تھوڑے سے نفوس کی جنگ ہے۔ پس تم اسی طرح ترقی کر سکتے ہو۔ کہ ہمت اور کوشش کرو۔ دعاؤں سے کام لو۔ پھر تم اسلام کی اسی شان و شوکت کو دیکھ سکتے ہو جو صحابہ کرام کے وقت تھی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا ہم سے یہی وعدہ ہے۔ پس تم ایمان اور اعمال حسنہ میں ترقی حاصل کرو۔ تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔

اللہ ہم سب کو اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کی توفیق دے۔ اور اپنے فضل و کرم سے ہمارے اعمال کو ایسا بنا دے۔ کہ وہ خدا کے فضل کے جاذب ہو جائیں ورنہ ہم بہت کمزور ہیں۔

خطبہ جمعہ

فرمودہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۴ء

موجودہ مسلمان یہود صفت ہو چکے ہیں

واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لا تعبدون الا اللہ وبالوالدین احسانا وذی القربی والیتمی والمساکین وقولوا للناس حسنا واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ ثم تولیتم الا قلیلا منکم وانتم معرضون۔

پچھلی آیات میں خدا تعالے نے بنی اسرائیل کی کچھ صفات رذیلہ بیان فرمائی تھیں۔ اب ایک اور صفت بیان فرماتا ہے۔ کہ یہ لوگ لوگوں کو ایسی باتیں بتاتے ہیں۔ جو ان کی مذہبی کتاب میں نہیں پائی جاتیں۔ ایک ایسی جماعت ہے۔ جو کہ مسیح کو خدا کا بیٹا کہتی ہے۔ روح القدس کو خدا کا شریک ٹھہراتی ہے اپنے انبیاء احبار اور رہبان کو خدا کی صفات میں شریک سمجھتی ہے۔ حالانکہ ان کی کتاب میں یہ عہد لیا گیا تھا کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے اور اس کو ایک خدا یقین کریں گے۔ خدا تعالے فرماتا ہے۔ کہ بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا گیا تھا۔ کہ خدا کے سوا کسی کی پرستش نہیں کریں گے۔ لیکن باوجود اس کے انہوں نے نبیوں کی قبروں پر سجدے کرنے شروع کر دیئے۔ اب یہی باتیں جو خدا تعالیٰ نے یہود وغیرہ کے متعلق بیان فرمائی تھیں۔ مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہود سے تو صرف عہد لیا گیا تھا۔ کہ تم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ لیکن مسلمانوں پر خداوند تعالیٰ نے اتنا فضل کیا تھا۔ کہ اسلام کی بنیاد ہی لا الٰہ الا اللہ پر رکھی تھی۔ یعنی اس بات پر کہ خدا کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ کوئی چیز قابل پرستش نہیں ہو سکتی۔ کسی چیز میں خدا کی صفات نہیں آسکتیں۔ اور خدا اپنی صفات

کو دوسروں میں تقسیم نہیں کرنا پھرتا۔ وہ قادر مطلق ہے۔ وہ ہر ایک کام کو خود کر سکتا ہے۔ اس کو کسی کی مدد کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ اسلام کی بنیاد لا الہ الا اللہ پر تھی۔ آج اس قدر شرک مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ اور قوموں میں اس کی نسبت بہت کم ہے۔ مسلمان قبروں پر ایسی صفائی اور بغیر کسی قسم کے حجاب کے سجدہ کرتے ہیں۔ کہ خدا کے آگے سجدہ کرنیوالوں میں اور ان میں ذرا بھی فرق نہیں رہ جاتا۔ مجھے اس بات پر سخت تعجب آیا کرتا تھا کہ کیا کبھی کوئی مسلمان بھی قبر پر سجدہ کر سکتا ہے؟ میں باوجود متواتر شہادتوں اور کھلی باتوں کے۔ اس بات پر یقین نہیں کرتا تھا لیکن ایک دفعہ جب ہم چند آدمی ہندوستان میں اسلامی مدارس دیکھنے کے لئے گئے۔ تو لکھنؤ میں فرنگی محل کا مدرسہ دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ اچھے لائق اور عالم استاد تھے۔ ہوشیار اور ذہین شاگرد معلوم ہوتے تھے اس مدرسہ کے دیکھنے کے بعد ہم دیگر مدارس کو دیکھ کر جب شام کو واپس مکان پر آرہے تھے تو ایک قبر کے سامنے جو آدمی پورا پورا سجدہ کر رہا تھا۔ وہ فرنگی محل کے مدرسہ کے ایک مولوی صاحب تھے۔ مجھے اس کو دیکھ کر بہت تعجب ہوا۔ کہ اس نے علم پڑھ کر اس کی کچھ بھی قدر نہ کی۔ قبروں پر سجدہ کرنا تو الگ رہا۔ اپنی نفس پرستی عیش و آرام پرستی۔ دنیا پرستی۔ رسم و رواج پرستی میں جس قدر شرک کیا جاتا ہے۔ اس کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس لئے شرک کا ذکر نہیں سنایا تھا۔ کہ یہود یوں کیا کرتے تھے۔ بلکہ اس لئے سنایا تھا۔ کہ ایک دن ایسا ہی آتا ہے۔ جب کہ تم نے بھی اس طرح کرنا ہے۔

والدین اور دیگر انسانوں سے سلوک

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہود سے ہم نے یہ بھی اقرار کیا تھا۔ کہ والدین کے ساتھ احسان کرنا یہ بات اس زمانہ میں مسلمانوں میں سے بالکل مٹ گئی ہے۔ یہ تو ضروری سمجھا جاتا ہے۔ کہ والدین اولاد سے نیک سلوک کریں۔ ان کی پرورش کریں۔ ان پر اپنا مال صرف کریں۔ لیکن یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ کہ اولاد بھی والدین پر

احسان کرے۔ اور ان کی خدمت بجا لائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ والدین کی خدمت کرنے کا عہد ہم نے یہود سے لیا تھا۔ لیکن انہوں نے توڑ دیا۔ پھر یہ عہد لیا تھا کہ قریبیوں و یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ پھر تمام دنیا میں جس قدر لوگ ہیں۔ ان کو نیک باتیں کہنا۔ یہ کیا اچھی اور عمدہ تعلیم تھی۔ کوئی بوجھ نہ تھا کوئی عقل کے خلاف بات نہ تھی۔ لیکن آج مسلمانوں نے اسی صاف اور سیدھی تعلیم کو بگاڑ کر کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ کوئی انسانی طاقت اور ہمت سے باہر کام نہ تھا۔ مگر باوجود ایسی اعلیٰ اور اکمل تعلیم کے مسلمانوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ پھر حکم تھا کہ نماز پڑھو۔ یعنی خدا کی عبادت کرو۔ لیکن دیکھ لو۔ کہ کئی کروڑ انسان مسلمان کہلاتے ہیں۔ مگر ایسے بہت کم ہیں۔ جو نماز پڑھتے ہیں۔ پھر حکم تھا زکوٰۃ دو۔ مگر بہت تھوڑے ہیں۔ جو اس کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہود کی نسبت فرماتا ہے۔ کہ وہ احکام کو سن کر پھر گئے اور ان پر عمل نہ کیا۔ اسی طرح اب مسلمانوں نے کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام سے اکثر پھر گئے ہیں۔ اور ان احکام کو پیچھے چھوڑ کر بہت آگے نکل گئے ہیں۔

اسلام کی صداقت

گندے سے گندا انسان بھی یہ کہنے سے ہرگز نہیں جھجکتا کہ میں متقی اور پرہیزگار ہوں۔ لیکن عمل ایک ایسی چیز ہے جو کہ اصلیت کو ظاہر کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں منافقین کی نسبت فرماتا ہے۔ کہ جب وہ باتیں کرتے ہیں تب تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ دین سے انکو بہت گہرا تعلق ہے۔ لیکن جب ان کے عمل کو دیکھا جائے تو کچھ بھی نہیں ہوتا تو کسی چیز کا کھرا اور کھوٹا ہونا اس کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں جس کے پیرو اس کو جھوٹا سمجھتے ہوں۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جو نہایت ہی بدترین مذہب رکھتے ہیں۔ یعنی پاخانہ تک کھا لیتے ہیں اور عورت و مرد کی شرمگاہوں کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے مذہب ایسا کوئی اور مذہب پاک اور پوتر نہیں ہے۔ تو اگر ایک مسلمان بھی اسی مذہب کے پیرو کی طرح

صرف زبان سے کہتا ہے۔ کہ ہمارا مذہب سچا ہے۔ اور اس بات کی اپنے عمل سے تصدیق نہیں کرتا۔ اور لوگوں کو اپنا نمونہ نہیں دکھاتا۔ تو اس میں اور ایک وام مارگی میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ وہ بھی گندہ بدکاری اور طرح طرح کی پلیدیوں میں مبتلا ہے۔ اور یہ بھی تو پھر اسلام کی خوبی کسی کو کیا معلوم ہو سکتی ہے ہمیشہ وہی بات اعلیٰ اور عمدہ ہوتی ہے۔ جو تجربہ سے اعلیٰ ثابت ہو۔ اگر ایک شخص اسلام کی صداقت کا مدعی ہے۔ اور وہ خود اس کی تعلیم پر عمل نہیں کرتا۔ تو وہ بہ نسبت اس کے جس کے مذہب میں کوئی خوبی نہیں۔ زیادہ مجرم ہے۔ اس وقت مسلمان ذوی القربیٰ کو شرکیہ یعنی دشمنی کا باعث سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن کے ساتھ نیک سلوک کرنیکا حکم دیا تھا۔ ان سے دشمنی اور لڑائی جھگڑے کئے جاتے ہیں یتیموں کے ساتھ نرمی اور ملاطفت کا حکم تھا۔ لیکن ان کے مال و اموال بڑی دلیری سے کھائے جاتے ہیں۔ مسکینوں کی خبرگیری ان کا فرض تھا۔ لیکن حقارت اور نفرت سے ان کو دیکھا جاتا ہے۔ اور ان پر ظلم و ستم کیا جاتا ہے۔ تمام بنی نوع کو نیک باتیں کہنی ان کا فرض تھا۔ لیکن یہ آپس میں کبھی دو آدمی جہاں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اتنا لڑتے ہیں۔ کہ حیرت آتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمانوں کی کوئی ایسی مشترکہ جماعت نہیں۔ جو امن و امان سے کام کر رہی ہو۔ ہندو۔ عیسائیوں اور سکھوں کی آپس میں صلح ہو سکتی ہے اور وہ مل کر کام کرتے ہیں لیکن مسلمان کبھی مل کر کام نہیں کرتے۔ جہاں اکٹھے ہوتے ہیں لڑائی جھگڑا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالےٰ نے ان کو بتا دیا تھا۔ کہ ہم نے یہود کو یہ تعلیم دی تھی۔ جو کہ اس سے پھر گئے یعنی تعلیم تو سچی تھی۔ لیکن انہوں نے اس پر عمل نہ کیا۔ پھر نماز اتنا بڑا فرض ہے۔ کہ اس کے تارک کو کافر کہا گیا۔ لیکن اب بہت کم مسلمان ہیں۔ جو پڑھتے ہیں۔ پھر زکوٰۃ کا اتنا بڑا حکم ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ نے نہ دینے والوں کو فاسق قرار دیا تھا۔ اور ان سے بالکل کافروں کا ایسا سلوک کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا بھی تھا۔ کہ یہ لوگ مسلمان ہیں۔ ان سے کچھ تو رعایت کریں۔ لیکن انہوں نے کچھ رعایت نہ کی۔ اس وقت مسلمانوں نے بھی

سے دو فی صدی بھی ایسے نہیں۔ جو کہ زکوٰۃ دیتے ہوں۔ اس وقت ان حالات کو جو قرآن شریف نے یہودیوں اور عیسائیوں کے متعلق بیان کئے ہیں۔ پڑھا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج کل کے مسلمانوں کے حالات ہیں۔

دعا:۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرماوے۔ اور اپنی پناہ میں لے کر یہود صفت لوگوں سے علیحدہ رکھے۔ اور اپنے فرمانبردار نیک بندوں میں داخل کرے۔

خطبہ عید الضحیٰ

فرمودہ ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۱۶ء

اسلامی قربانی

یاایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوٰت الشیطٰن انہ لکم عدو مبین

آج کا دن قربانی کا دن کہلاتا ہے۔ مسلمانوں میں بہت قربانیاں کی جاتی ہیں۔ لاکھوں لاکھ بکرے اور ہزاروں ہزار اونٹ اور گائیں خدا کے نام پر ذبح کی جاتی ہیں۔

قربانی کی تعریف قربانی کیا ہے اور اس کے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس سوال کا جواب قربانی کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے کیجاتی ہے اور اس سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ دنیا میں بہت سی قربانیاں ہوتی رہی ہیں اور اب بھی ہوتی ہیں۔ بعض اپنے بتوں کے لئے بعض اپنے دیوی دیوتاؤں کے لئے اور بعض اپنے نبیوں کے لئے قربانیاں کرتے۔ حتیٰ کہ بیٹوں کو بھی ذبح کر دیتے تھے حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا کو بتایا۔ کہ بتوں دیوی دیوتاؤں اور نبیوں کیلئے قربانی کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا اگر تم اپنے بیٹوں کی قربانی کرنا چاہتے ہو۔ تو ہم تمہیں بتاتے ہیں۔ کہ اس طرح کرنی چاہیئے۔ دیکھو ایک بیٹے کی قربانی ہم نے ابراہیمؑ سے کروائی

رؤیا میں قربانی کا نظارہ اس کو دکھایا کہ بیٹے کو ذبح کرو۔ اس رنگ میں ہم نے اس کو بتا دیا کہ بیٹے کی قربانی یہ ہوتی ہے کہ اس کو بھی اپنی طرح دین کے لئے وقف کر دیا جائے۔ کہ دین کے لئے وہ اپنے آپکو قربان کر سکے اور ساری زندگی دین کے لئے وقف کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو وادی غیر ذی زرع میں اللہ کے حکم کے ماتحت چھوڑ آئے جہاں نہ پانی تھا نہ کھانا نہ کوئی ساتھی تھا اور نہ مددگار اور یہی ان کے بیٹے کی قربانی تھی۔ جو کہ انہوں نے کر دی اور یہ بہت بڑی قربانی تھی۔ اپنے ہاتھ سے بیٹے کو ذبح کر دینا آسان ہے۔ لیکن ایک ویران اور سنسان جنگل میں بغیر کسی معین مددگار اور بغیر دانہ پانی کے چھوڑ کر آنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ ذبح کرنیوالا سمجھتا ہے۔ کہ ایکدم میں جان نکل جائیگی پھر کوئی تکلیف نہ رہے گی مگر جنگل میں اس طرح چھوڑ نے کا مطلب یہ ہے کہ تڑپ تڑپ کر کسی وقت جان نکلے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے۔ لیکن خدا تعالیٰ کا اسی طرح حکم تھا۔ اور اس نے بتا دیا تھا کہ جو میرے حکم کے ماتحت اپنی اولاد کی قربانیاں کرتے ہیں۔ ان کی اولاد دنیا میں کبھی ضائع نہیں ہو سکتی۔

قربانی کا نتیجہ

پس تم دیکھ لو کہ ملکوں کے ملک آباد ہیں اور ہزارہا ایسی قومیں ہیں جو اپنے آپ کو حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد بتاتی ہیں تو خدا تعالیٰ نے اولاد کو اپنی راہ میں قربان کرنے کا طریقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا۔ اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ لوگ بیوقوف اور کم عقل ہیں۔ جو چھری سے اپنے بیٹوں کو ذبح کر کے خدا کی راہ میں قربانی دیتے ہیں۔ یہ ان کی قربانی کسی کام کی نہیں ہوتی اور نہ اس کا کوئی نتیجہ ان کے لئے مرتب ہوتا ہے۔ اور اصل قربانی اپنی اولاد کو خدا کے راہ میں وقف کر دینا ہوتی ہے۔ اور یہ ایک بیج کی طرح ہوتی ہے۔ جس سے آگے لاکھوں دانے پیدا ہوتے ہیں۔ اور کبھی ایسی قربانی ضائع نہیں ہوتی۔ آج مکہ میں اسی حضرت ابراہیمؑ کی یاد تازہ کرنے کے لئے ہزارہا قربانیاں ہو رہی ہیں اور وہی یادگار قائم کی جا رہی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی قربانی

تم حضرت ابراہیمؑ کی مثال کو دیکھو وہ کس طرح اس جنگل میں اپنے بیٹے کو چھوڑ کر چلے گئے تھے اور خدا نے جنگل سے ہی

اس کے لئے پانی اور دانہ مہیا کر دیا۔ یہ بڑا دردناک واقعہ ہے۔ حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیم حضرت ہاجرہ کو معہ ان کے بچے کے اس جنگل میں چھوڑ چلے۔ تو حضرت ہاجرہ نے پوچھا۔ کہ آپ ہمیں یہاں کس کے بھروسہ پر چھوڑ چلے ہیں۔ جہاں نہ پانی ہے نہ کھانا نہ کوئی سائبان ہے۔ نہ مددگار۔ تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا۔ کہ میں تم کو خدا پر چھوڑ چلا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ بس جاؤ۔ اب ہمیں کسی کی پرواہ نہیں۔ ہمارے لئے ہمارا خدا کافی ہے۔ جب وہ مشکیزہ پانی کا جو حضرت ابراہیمؑ ان کیلئے چھوڑ گئے تھے ختم ہو گیا۔ تو حضرت اسمٰعیل پیاس کی وجہ سے رونے لگا۔ اور وہاں اردگرد پانی چھوڑ کر کہیں سبزہ بھی نہ تھا۔ تو اس وقت حضرت ہاجرہ گھبرائیں۔ اور بچے کو بلبلاتا ہوا ان سے نہ دیکھا گیا۔ تو ادھر ادھر پانی کی تلاش میں دوڑنے لگیں۔ لیکن وہاں پانی کہاں مل سکتا تھا۔ خالی ہاتھ واپس بچے کے پاس آئیں مگر بچہ کی شکل دیکھ کر پھر گھبرا گئیں۔ اور بچہ کے اضطراب اور بلبلاہٹ کو نہ دیکھ سکیں۔ پھر دوڑنے لگیں۔ آخر کار ایک فرشتہ کے ذریعے انہیں معلوم ہوا۔ کہ ایک چشمہ پھوٹا ہے وہ اس جگہ آئیں۔ اور اس چشمہ کو پایا جس کو آب زمزم کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ اگر ہاجرہ اس چشمہ کو روک نہ دیتیں۔ تو یہ دور دور تک پھیل جاتا۔ تو یہ ایک قربانی تھی۔ آج بھی قربانیاں کی جائیں گی۔ لیکن ان قربانیوں کے کرنے والوں کو خیال کرنا چاہیئے۔ کہ یہ قربانیاں حضرت ابراہیمؑ کی قربانی سے کیا نسبت رکھتی ہیں۔ ان کی تو یہ قربانی تھی۔ کہ خدا تعالےٰ نے حکم دیا۔ کہ اپنے بچے اور اس کی ماں کو جنگل میں چھوڑ آؤ۔ حضرت ابراہیمؑ نہیں پوچھتے۔ کہ ان کے کھانے ان کے پینے کا وہاں کیا بندوبست ہوگا۔ جنگل کے درندے تو انہیں نہیں کھا جائیں گے۔ یہ یہاں رہیں گے اور کون ان کا خبرگیراں ہوگا۔ وہ بلا کسی سوال اور عذر معذرت کے جھٹ ان کو جنگل میں چھوڑ کر واپس آجاتے ہیں۔ تو یہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی اور ایسی ہی قربانی اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان سے چاہتا ہے۔

قربانی کی ضرورت ۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے۔ کہ جس چیز سے محبت ہوتی ہے اس کے

لئے انسان سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اس وقت ہی دیکھ لو۔ دنیا میں ایک قربانی ہو رہی ہے۔ کوئی اپنے وطن کے لئے۔ کوئی اپنی تجارت کے لئے کوئی اپنی عزت کے لئے۔ کوئی اپنی آبرو کے لئے۔ کوئی اپنے احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے جانیں قربان کر رہے ہیں۔ اور آج دنیا میں ایک نہایت خطرناک جنگ ہو رہی ہے۔ اور بکروں اور دنبوں کی طرح انسان قتل ہو رہے ہیں۔ اور خون کی ندیاں پانی کی طرح بہ رہی ہیں ایک دن میں لاکھ لاکھ اور دو دو لاکھ انسان ہلاک ہو رہے ہیں لیکن مرنے والوں کی جگہ دوسرے بڑی خوشی سے لیتے اور لڑتے ہیں۔ ایک مردہ ہو کر گرتا ہے۔ تو دوسرا خوشی سے اس کی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور ایسے خاندان بھی ہیں۔ جن کے اگر آٹھ جوان بیٹے تھے تو آٹھوں اگر چار تھے تو چاروں جنگ میں شریک ہیں۔ لیجئے سارے ہی کی ساری اولاد لڑ رہی ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں۔ کہ یہ کیوں اس طرح کر رہے ہیں۔ یہ اپنی آبرو۔ اپنے وطن۔ اپنی تجارت۔ اپنی عزت اور اپنے اموال کے لئے جانیں قربان کر رہے ہیں۔ اور کچھ لوگ احسان کی خاطر جو کہ ان پر کیا گیا اپنی جانیں دے رہے ہیں۔ ایک کہتے ہیں۔ کہ ہم جرمن ہیں۔ ہم کسی سے ہار نہیں سکتے۔ ایک کہتے ہیں۔ کہ ہم فرانسیسی ہیں۔ ہم فرانس کی خاطر اپنی ہستی مٹا دیں گے اور جیتے جی اس پر کسی کو قابض نہ ہونے دیں گے۔ ایک کہتے ہیں۔ ہم برطانوی ہیں۔ ہم کبھی کسی کے ماتحت نہیں رہتے۔ اور نہ رہ سکتے ہیں۔ ایک بلجیم کے رہنے والے ہیں وہ کہتے ہیں۔ کہ ہم معاہدہ کے خلاف نہیں کریں گے۔ تو یہ لوگ ان باتوں کے لئے اپنی جانوں کی قربانیاں کر رہے ہیں۔ پھر کس قدر شرم کی بات ہے۔ کہ ایک مسلمان خدا کے لئے کوئی قربانی نہ کرے۔ یہ عزت آبرو وطن اور مال کے لئے پانی کی طرح خون بہاتے اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ کہ ہم اپنے وقار کے لئے لڑ رہے ہیں۔ حالانکہ ان کی غرض محض دنیا ہی دنیا تک محدود ہے۔ اور دین کی قطعاً کوئی بات انکے مد نظر نہیں۔ لیکن خدا تعالےٰ ایک مسلمان سے اس لئے قربانی چاہتا ہے۔ کہ وہ اس کا خالق اور رازق ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بہت کم ایسے مسلمان ہیں۔ جو خدا کے لئے قربانی

خدا کیلئے قربانی نہ کرنیکی وجہ

خدا کے لئے قربانی نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو یقین نہیں ہوتا۔ کہ ہمارا کوئی رب ہے۔ جو خالق اور رازق ہے۔ اور وہ دنیا کی حکومتوں کو خالق اور رازق سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے تو جان دیتے ہیں۔ لیکن خدا کے لئے کچھ نہیں کرتے قربانی اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ میرے بندے کچھ کرکے دکھائیں۔ تب میں انہیں اپنا مقرب بناؤں۔ جو شخص اللہ کے لئے اپنے نفس کو قربان نہیں کرتا۔ وہ اگر یہ دعوے کرے۔ کہ مجھے بھی خدا کی محبت ہے۔ تو وہ جھوٹا ہے۔ اس کو نہ خدا سے کوئی محبت ہے اور نہ کوئی تعلق ہے

مومن کی قربانی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے مومنو! تم سارے کے سارے پورے طور پر مسلمان ہو جاؤ۔ اور اسلام کی تابعداری کا جوا اپنی گردنوں پر رکھ لو۔ یا اے مسلمانو! تم ساری فرمانبرداری کی راہیں پوری کرو اور کوئی بھی فرمانبرداری کی راہ نہ چھوڑو۔ یہ حقیقی قربانی ہے جو اللہ تعالیٰ ہر ایک مومن سے چاہتا ہے۔ کہ انسان اپنی تمام آرزوؤں تمام خواہشوں تمام امنگوں اور تمام امیدوں کو خدا کیلئے قربان کر دے اور اس طرح نہ کرے کہ جو اپنی مرضی ہو وہ کرے۔ اور جو نہ ہو۔ وہ نہ کرے۔ یعنی اس طرح کہ اگر شریعت اس کو کچھ حق دلاتی ہو۔ تو کہے۔ کہ میں شریعت پر چلتا ہوں۔ اور اسی کے ماتحت فیصلہ ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر شریعت اس سے کچھ دلوائے تو کہے کہ قانون کی رو سے فیصلہ ہونا چاہیئے۔ قانون کچھ نہیں دلواتا۔ اس لئے میں بھی کچھ نہیں دیتا۔ ابھی ایک معاملہ ہوا ہے۔ ایک شخص سے جب ایک چیز مانگی گئی۔ تو اس نے کہا میں یہ چیز نہیں دیتا۔ میں نے خوب اچھی طرح دریافت کر لیا ہے۔ کہ قانوناً میں اس چیز کا مالک ہوں۔ چونکہ شریعت کی رو سے اسے اس چیز کے رکھنے کا کوئی حق نہیں۔ اس لئے وہ قانون کی آڑ لے کر بچنا چاہتا ہے اور یہ نفس پرستی ہے۔ کیونکہ وہ نفس کی خاطر دین اور ایمان کو بیچتا ہے۔ اور قانون کی پناہ لینی چاہتا ہے۔ قانون کی آڑ ہی کیا ہے۔ یہ تو صرف

انسانی عمر تک ہی ہوتا ہے۔ لیکن خدا کا قانون یعنی شریعت ابدالآباد تک کے لئے ہے۔ جو کوئی ظلم سے دوسرے کا حق لیتا ہے۔ اور خواہ اس کے لئے کوئی وجہ تراشتا ہے۔ وہ کبھی خدا تعالیٰ کی عقوبت سے نہیں بچ سکتا۔ اور ایسا شخص ہرگز ایماندار نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خدا کے لئے قربانی نہیں کرتا۔ ہر ایک مسلمان کے دل میں کسی معاملہ کے تصفیہ کے وقت جو سب سے پہلے خیال پیدا ہونا چاہیئے۔ وہ یہ ہونا چاہیئے۔ کہ شریعت کیا کہتی ہے۔ اور مجھے کسی چیز کا حق دار قرار دیتی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں دیتی تو قانون اگر دلوائے۔ تو بھی نہیں لینی چاہیئے۔ کیونکہ خدا کے نزدیک یہ لینا جائز نہیں۔ مومن کو تو ایسا ہونا چاہیئے۔ کہ اگر قانون نہ بھی دلوائے اور شریعت دلواتی ہے۔ تو فوراً دے دینا چاہیئے۔ جب میں یہ مادہ نہیں وہ مسلمان ہی نہیں۔ مومنوں کو فرمانبرداری کا ہر ایک پہلو اور ہر ایک رنگ زیر نظر رکھنا چاہیئے اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے۔ کہ تم شیطان کے پیچھے نہ چلنا۔ کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہے۔ یہ کیا ہی لطیف بات بیان فرمائی ہے۔ قربانی کرنے والا اس لئے قربانی کرتا ہے۔ کہ بڑی چیز حاصل ہو۔ ایک طالب علم وقت کی قربانی اس لئے کرتا ہے۔ کہ بی اے۔ اور ایم اے۔ ہو کر گورنمنٹ سے کوئی اچھا عہدہ لے۔ تمام دنیا کے مذاہب قربانی کرنا تو سکھاتے ہیں۔ لیکن ان کی قربانیاں کرنے والے کسی نیک نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے اسلام حکم دیتا ہے۔ کہ تمہیں شیطان جس قربانی کا حکم دیتا ہے۔ اس کو مت قبول کرو۔ وہ تمہارا دشمن ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا۔ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم تم سے جو قربانی چاہتے ہیں۔ اور جس کا تمہیں حکم دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ضرور نیک نکلتا ہے۔ یہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں فرق ہے۔ کہ اور مذاہب انسان سے قربانی کروا کر بھی کچھ ترک کروا کر دیتے کچھ نہیں۔ لیکن اسلام ایسی قربانی کرواتا ہے۔ کہ انسان کا اس میں نفع ہی نفع ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم جو تمہیں حکم دیتے ہیں ان کو پورے طور پر بجا لاؤ۔ کیونکہ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ تو یہ کس قدر بے حیائی کی بات ہے۔ کہ انسان اپنے افعال اموال خیالات اور ارادوں کو ترک کر کے

خدا تعالیٰ کا حکم قبول نہ کرے۔

دعا۔ خدا تعالیٰ تم سب کو سچی قربانی کرنے کی توفیق دے۔

خُطبۂ جُمعہ

یوم الحج قبولیتِ دعا کا خاص دن ہے

فرمودہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء

اگرچہ حساب سے ہماری عید ہے۔ اسی حساب کے مطابق مکہ میں عید ہوئی تو وہاں آج حج کا دن ہے۔ لاکھوں لاکھ آدمی کو ئی کسی قوم کا کوئی کسی ملک کا ایک دوسرے کی رسم و رواج ایک دوسرے کی زبان ایک دوسرے کی عادتوں ایک دوسرے کی خواہشوں۔ ایک دوسرے کی امنگوں سے ناواقف ایک بہت بڑے وسیع میدان میں جمع ہوں گے اور نہ صرف ان کے سامنے یہ نظارہ ہوگا۔ کہ دنیا کے کن کن کونوں میں خدا تعالیٰ نے اسلام کو پھیلایا۔ بلکہ یہ بھی ہوگا۔ کہ اس بے برگ و گیاہ جنگل میں (جہاں ایک مشک پانی کی روپیہ دو روپیہ بکر بھی بمشکل ہاتھ آتی ہے) کہاں کہاں سے لوگ آئے ہیں۔ یہ عجیب منظر دیکھ کر ہر ایک انسان کے دل میں عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اور اسلام کی سچائی کا بہت بڑا ثبوت ملتا ہے۔ کہ اس جنگل اور وادی غیر ذی زرع میں ایک بلند ہونے والی آواز جس کو غیر تو الگ رہے۔ اپنے بھی نہیں سنتے تھے۔ اور آواز دینے والے کو جھڑک دیتے تھے۔ وہی آواز تمام دنیا کے کونوں تک پہنچ کر آج ہزاروں نہیں۔ بلکہ لاکھوں انسانوں کے اجتماع کا باعث ہوئی ہے۔

تمام وہاں جانے والے انسانوں کے پیش نظر یہ نظارہ ہوتا ہے۔ کہ کہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوا۔ اور اس نے ایسی آواز بلند کی جو گونجی

گو بخشی ہمارے دور دراز ملکوں میں پہنچی۔ اور وہ اپنے اندر ایسی کشش رکھتی تھی۔ کہ ہمیں یہاں کھینچ لائی۔ اس کے علاوہ اس وقت لوگوں میں کیا محبت اور عقیدت کے جذبات جوش مارتے ہوں گے جب کہ وہ یہ خیال کرتے ہوں گے۔ کہ آج ہم ایسی متبرک اور پاک سرزمین میں پھر رہے ہیں۔ جس پر آج سے تیرہ سو برس پیشتر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھرتے تھے۔ اور پھر خصوصاً یہ کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ نے یہاں سے نکال دیا۔ تو کس شان و شوکت سے دوبارہ وہ قدوم میمنت لزوم یہاں پہنچے۔ اور وہ مکہ کے لوگ جن کی اذیتوں۔ اور تکلیفوں کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ اور یہاں لا الہ الا اللہ کہنے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن آج ہر ایک کی زبان پر اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد جاری ہوتا دیکھ کر کیا ہی لذت آتی ہوگی۔ آج کے دن زوال سے لے کر سورج کے ڈوبنے تک حاجی عرفات میں اور مغرب سے لے کر صبح تک مزدلفہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے والے دعاؤں میں لگے رہتے ہیں۔ افسوس کہ بہت کم لوگ اس طرف توجہ کرتے ہیں۔ اور اکثر ادھر ادھر پھر کر وقت گذار دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لکھا ہے۔ کہ آپ صبح تک دعاؤں میں مشغول رہتے دعاؤں کے لئے یہ وقت بہت مبارک ہے۔ جس کو خدا نے عرفات اور مزدلفہ میں دعاؤں کی توفیق دی ہے۔ وہ بہت خوش نصیب ہے۔ لیکن جو اپنے گھروں میں ہیں۔ ان کے لئے بھی خوش قسمتی کا موقعہ ہے۔ وہ بھی دعاؤں میں مشغول رہیں۔ سب سے پہلے اس انسان کے لیے بہت بہت دعائیں کی جائیں جس کے طفیل ہمیں اسلام ملا ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ اگر آپکی قربانیاں آپکی جان نثاریاں اور آپ کی دعائیں نہ ہوتیں۔ تو ہم تک کہاں اسلام پہنچ سکتا تھا۔ آپ نے رات دن لگ کر تیس سال استواتر بلا ایک دم اور لحہ راحت اور چین میں رہنے کے اسلام کی اشاعت کی جس کے نتیجہ میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی۔ جس نے ہم تک اسلام

پہنچایا۔ تو پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پھر صحابہ کی جماعت کے لئے
دعائیں کرو۔ اس جماعت نے اپنی جانیں، اپنے مال، اپنا وطن، اپنی بیویاں، اپنے
بیٹے۔ غرضیکہ سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ خبیث الفطرت ہے وہ انسان
جو صحابہ کرام کی قدر نہیں کرتا۔ پھر ان لوگوں کے لئے دعائیں کرو جنہوں نے صحابہ سے
اخذ کر کے بعد میں آنیوالی نسلوں کو اسلام پہنچایا۔ ان میں سے محدثین کی جماعت جس
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو ہم تک پہنچایا۔ پھر ائمہ دین کی جماعت کہ جنہوں
نے اپنی ساری عمریں صرف کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے مسائل
استنباط کئے۔ پھر وہ جماعت جس کا خدا تعالیٰ سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ جیسے
صوفیاء کی جماعت جنہوں نے اسلام کی باطنی خصوصیات کو قائم رکھا۔ ایسی جماعتیں
ہیں۔ جن کے لئے جس قدر بھی دعائیں کی جائیں کم ہیں۔ پھر اس زمانہ میں جس انسان
نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اس کے لئے تڑپ تڑپ کر دعائیں کرو۔ اسلام کی
روح نکل چکی تھی۔ اور اسلام مردہ ہو چکا تھا۔ لیکن اس انسان نے اپنے مولا کے
حضور شبانہ روز کی عاجزی اور زاری کر کے اور بڑی محنت اور کوشش سے ایک ایسی
جماعت بنائی جس کے پاس آج زندہ اسلام موجود ہے۔ اس جماعت کی ترقی کے
لئے دعائیں کرو۔ پھر ایک حصہ جماعت کا جو علیحدہ ہو چکا ہے۔ اور ابھی تک اپنی ضد پر
قائم ہے۔ اس کیلئے دعائیں کرو۔ کہ خدا تعالیٰ انہیں توفیق دے۔ پھر قریب ہی کے اپنے
بھائیوں کے لئے دعائیں کرو کہ خدا تعالیٰ اپنی رضامندی کی راہ پر چلائے کیونکہ جب تک
قوم کا ہر فرد اپنے اندر کمالات نہ رکھتا ہو۔ اس وقت تک کوئی ترقی نہیں ہو سکتی۔ پھر اپنے دین
کی ترقی ایمان کی ترقی اور سلسلہ کی ترقی کے لئے دعائیں کرو۔ پھر اس کے لئے بھی دعائیں
کرو کہ خدا تعالیٰ تمہیں خدمت دین کی توفیق دے اور تمہاری نسلیں نیک پیدا ہوں
اپنے والدین اپنے بھائیوں اپنے بیٹوں اپنے رشتہ داروں اپنے لڑکوں اپنے آقاؤں
اور اپنے محسنوں کیلئے دعائیں کرو۔ میں بھی تمہارے لئے دعائیں کروں گا۔ اور تم بھی میرے لئے
دعائیں کرنا۔ وہ کام جو ہم نے کرنا ہے۔ یقیناً بہت عظیم الشان ہے۔ لیکن وہ خدا تعالیٰ

جو ایک چھوٹے سے بیج سے بڑ جیسا بڑا درخت اور ایک دانے سے ہزاروں دانے پیدا کر سکتا ہے۔ کیا وہ اشرف المخلوقات انسان کو بڑا نہیں بنا سکتا۔ ضرور بنا سکتا ہے۔ اور اس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے صرف مانگنے کی دیر ہے بس تم مانگنے لگ جاؤ۔ اور خوب دعائیں کرو۔ خدا تعالیٰ تم سب کی دعائیں قبول فرمائے

خطبۂ جمعہ

عذاب کے دنوں میں استغفار بکثرت پڑھو

فرمودہ ۱۳؍ نومبر ۱۹۱۴ء

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ

دنیا میں قسم قسم کے انسان ہوتے ہیں۔ بعض انسان ایک دفعہ حکم سن کر پوری طرح اس کی فرمانبرداری اور اطاعت کرتے ہیں۔ بعض کے دلوں میں بار بار دہرانے سے نیکی اور بھلائی کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ کچھ اور لوگ ہوتے ہیں جو بار بار کہنے سے بھی توجہ نہیں کرتے۔ لیکن اگر ان کو سختی سے کہا جائے۔ تو وہ مان لیتے ہیں کچھ ان سے بھی سخت طبائع ہوتی ہیں۔ وہ سختی سے کہنے سے بھی نہیں مانتیں۔ بلکہ سخت ڈراوا اور خوف ان کو سنایا جائے۔ تو سمجھ جاتی ہیں۔ اور پھر کچھ طبائع ایسی بھی ہوتی ہیں۔ کہ وہ سزا کو دیکھ کر سچائی کو قبول کر لیتی ہیں۔ مگر کچھ لوگوں کے دل ایسے سخت ہوتے ہیں کہ جب تک خود ان پر مصیبت نہ ٹوٹ پڑے۔ ان کے دل نرم نہیں ہوتے۔ ان میں سے وہ جماعت جو بلا کسی جھڑکی سرزنش۔ دہمکی ڈراوے۔ سزا کا نظارہ دیکھے۔ اور اپنے اوپر مصیبت آنے کے ہدایت کو قبول کر لیتی ہے وہ نہایت اعلیٰ درجہ رکھتی ہے۔ اور پھر اس سے اتر کر جس طرح کہ کوئی

جماعت ہدایت کو قبول کرتی ہے۔ اسی کے مطابق اُس کا درجہ ہوتا ہے۔ مؤمن انسان کو یہ سوچنا چاہیئے۔ کہ میں کس جماعت میں شامل ہوں۔ اسمیں تو کچھ شک ہی نہیں۔ کہ جو شخص بلا کسی قسم کی سرزنش کے بات مان لیتا ہے۔ وہ اُس کی نسبت جو مار کھاکر مانتا ہے باعزت ہوتا ہے۔ اور جو دھمکی سے یا مار کی وجہ سے مانتا ہے۔ وہ گرے ہوئے اخلاق کا انسان ہوتا ہے اسلئے مومن کو باعزت جماعت میں ہی شامل ہونا چاہیئے۔ وہ انسان جو قید خانہ میں جاکر کہے کہ اب میں بات مان لیتا ہوں۔ وہ بہت ذلیل ہو جاتا ہے۔ اور لوگوں کی نظروں میں اس کی کچھ عزت نہیں ہوتی۔ لیکن خدا تعالےٰ نے فوراً کسی پر اپنا عذاب نازل نہیں فرماتا۔ بلکہ ڈھیل دیتا ہے۔ اور بار بار ڈھیل دینے کے بعد بھی جب کوئی انسان نیکی اختیار نہیں کرتا تو خدا تعالیٰ سزا کا طریق استعمال کرتا ہے۔ پہلے صرف نصیحت اور ذکر ہی فرماتا ہے مگر جب لوگ نہیں مانتے۔ تو عذاب نازل کرتا ہے پھر اس عذاب کا کون مقابلہ کر سکتا ہے اس کا مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ بلکہ مشکل بھی نہیں۔ کیونکہ مشکل کو بھی انسان حل کر ہی لیتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کے عذاب کا مقابلہ تو ممکن ہی نہیں۔ کہ کوئی کر سکے۔ خدا کی طرف سے ایک ذرہ تکلیف کو بھی انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ اور پھر ہزاروں خدا کے عذاب کی راہیں ہیں۔ بیماریاں ملکوں کے ملک ویران کر دیتی ہیں۔ قحط سے لوگوں کے برے حال ہوتے ہیں۔ وہی اولاد جس کیلئے وہ ہر ایک تکلیف کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بچہ بیمار ہوتا ہے۔ تو ماں راتوں جاگتی ہے۔ لیکن قحط کے دنوں میں خدا کا ایسا سخت عذاب نازل ہوتا ہے۔ کہ لوگ اپنے بچوں کو بھی کھا جاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے۔ کہ کسی شخص نے بیان کیا۔ کہ ایک دفعہ قحط کے دنوں میں ہم کشمیر جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ ہم نے دیکھا کہ آگ جلاکر کسی نے بچہ کو بھون کر کھایا ہے۔ اور اُسکی ایک ران پھر کھانے کے لئے رکھی ہوئی ہے۔ تو خدا تعالےٰ کی گرفت اور عذاب کے وقت لوگ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے عذاب کوئی معمولی عذاب تو ہوتے نہیں۔ ان کا

مقابلہ انسانوں کی تکلیفوں اور عذابوں سے کرنا سخت نادانی اور بیوقوفی ہے۔ خدا تعالیٰ کے عذاب کے وقت کوئی پیاری سے پیاری چیز کسی کو پیاری نہیں رہتی۔ یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ لکل امری ء منھم یومئذ شان یغنیہ۔ (سورہ عبس رکوع ۱)

بھائی بھائیوں کو۔ ماں باپ بیٹوں کو۔ بیٹے ماں باپ کو۔ بی بی خاوند کو۔ خاوند بیوی کو چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ اور ہر ایک انسان اپنی اپنی حالت میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور کوئی کسی کی مدد کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ یوں جو لوگ جان قربان کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ اس موقعہ پر ذرا بھی کام نہیں آتے۔ تو اللہ تعالے کا عذاب بالکل اور چیز ہے۔ اور انسانی عذاب اور چیز۔ پھر بہت بڑا احمق ہے وہ انسان جو اللہ تعالے کے عذاب کے نازل ہونیکی ترتیب نہیں دیکھتا۔ اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ عذاب نازل کرتا ہے جسطرح وہ رب ہونیکی وجہ سے آہستہ آہستہ ربوبیت کرتا ہے۔ اسی طرح عذاب بھی نازل کرتا ہے۔ لیکن جب عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ تو پھر وہ ایسی خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے۔ کہ اس سے بچنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہوتی۔ تم خوب یاد رکھو۔ کہ اللہ تعالے کے عذاب سے بچنے کیلئے قرآن شریف نے دو طریق بیان فرمائے ہیں۔ جو آیت میں نے پڑھی ہے اسی میں یہ دو طریق درج ہیں۔ اوّل یہ کہ جس قوم میں نبی موجود ہو۔ اس پر عذاب نازل نہیں ہوتا۔ یہ نبی کا جسمانی طور پر فائدہ ہے جو لوگوں کو ہوتا ہے۔ تو ایک نبی کا زمانہ ہو۔ تو بھی خدا اسکی وجہ سے اسکی جماعت کو بچائے رکھتا ہے اور جماعت کیا نبی سے جسمانی تعلق رکھنے والے کفار کو بھی بچاتا ہے۔ دوسرا انسان گناہ کر کے خدا تعالے سے بخشش مانگے تو بھی عذاب سے بچ جاتا ہے حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان توبہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوتا ہے۔ تو خدا تعالے بہت خوش ہوتا ہے۔ اور فرشتوں کو فرماتا ہے۔ کہ میرے بندے کی حاجت پوری کر دو۔ کیونکہ اس کو یقین ہے کہ میں گناہ معاف کرتا ہوں۔ اسی لئے میرے پاس آیا ہے۔ اب میں ضرور اس کے گناہ معاف کر دونگا۔ تو دوسرا طریق یہ ہے۔ کہ اگر انسان استغفار کریں۔ اپنے گناہوں کے متعلق معافی

کے طلب گار ہوں۔ اپنے اندر عذاب سے بچنے کے لئے صلاحیت پیدا کرلیں
تو ایسی حالت میں بھی خدا تعالے ان پر رحم کر دیتا ہے۔ پہلی صورت تو کسی کسی
زمانہ میں ہی میسر ہوتی ہے۔ لیکن جب یہ زمانہ ہو۔ تو لوگوں کو دوسرا طریق ہی اختیار
کرنا چاہیئے۔ یعنی اپنے گناہوں کی معافی چاہنے کیلئے خدا کے حضور گرنا
چاہیئے۔ آج کل کا زمانہ بھی بڑا نازک ہے۔ ایک طرف دینی دنیاوی اور روحانی
ابتلاء ہیں۔ تو دوسری طرف عزتیں جانیں اور مال ابتلا میں ہیں۔ دین کا یہ حال
ہے۔ کہ روز بروز کمزور ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ روحانیت کا یہ حال ہے کہ ایسے ایسے
گندے اور مخرب الاخلاق سامان دن بدن پیدا ہو رہے ہیں۔ جو روحانیت کو
تباہ اور معدوم کرنے کیلئے کافی ہیں۔ جانوں اور جسموں کا یہ حال ہے۔ کہ
ہزاروں قسم کی بیماریاں اور تباہیاں پھیل رہی ہیں۔ عزت کا یہ حال کہ لڑائیوں
نے سینکڑوں کو نہیں بلکہ ہزاروں! ایسے لوگوں کو جو بڑی عزت اور توقیر رکھتے
تھے۔ معمولی انسان بنا دیا ہے۔ غرضیکہ کوئی عذاب کا ایسا طریق نہیں۔ جو باقی
رہا ہو۔ دین برباد ہو رہا ہے۔ روحانیت تباہ ہو رہی ہے۔ حکومتیں مٹ رہی ہیں
عزتیں کھوئی جا رہی ہیں۔ مال و دولت لوٹی جا رہی ہے۔ تو ایسے وقت میں بھی
اگر کوئی انسان اپنے اندر تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ تو اور کونسا وقت آئیگا جبکہ
وہ کریگا۔ تم خوب یاد رکھو۔ کہ آجکل عذاب کے دن ہیں۔ ان دنوں میں انسان
کو خدا تعالے کے حضور بہت زیادہ گرنا چاہیئے۔ قادیان کے قریب ہی طاعون
ہے۔ اور سخت ہے۔ اسے یہاں آتے ہوئے بھی دیر نہیں لگتی۔ لیکن تمہارے
پاس ایک ہتھیار ہے۔ اس کو اگر تم چلاؤ۔ تو وہ کبھی یہاں آنے کا نام نہیں لے سکتی۔
وہ استغفار کا ہتھیار ہے۔ اگر کامل اصلاح کر کے توبہ میں لگ جاؤ تو اللہ
تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے۔ کہ پھر ہم عذاب نہیں دیتے۔ اللہ تعالے سے سچا تو کوئی
ہو ہی نہیں سکتا۔ دنیا کی حکومتیں جو وعدہ کرتی ہیں۔ تو لوگ خوش ہو جاتے ہیں
اور جب خدا تعالے وعدہ کرے۔ تو پھر کیوں بندہ خوش نہ ہو۔ سو تمہارے پاس ایسا

ایسا ہتھیار ہے جو کسی حکومت اور کسی زبردست سے زبردست انسان کے پاس نہیں ہے۔ حکومتیں ہزار ہا روپے صرف کر چکی ہیں۔ ڈاکٹروں نے بڑی بڑی عمریں اس پر صرف کر دی ہیں۔ کہ طاعون کا علاج معلوم ہو۔ لیکن جب آتی ہے تو کسی کی اس کے سامنے پیش نہیں جاتی۔ مگر تمہارے پاس وہ علاج ہے۔ کہ اگر تمام دُنیا اس کو استعمال کرے۔ تو ساری دُنیا پر ہی طاعون کا نام و نشان نہ رہے۔ اور وہ علاج استغفار ہے یہ ایک ایسا ٹیکہ ہے۔ کہ جو انسان لگائے اس کے قریب بھی طاعون نہیں آسکتی۔ پھر جس ملک کے لوگ لگائیں۔ وہاں بھی نہیں آسکتی۔ پھر ساری دُنیا لگائے۔ تو یہ دُنیا سے معدوم ہو سکتی ہے۔ اور یہی ایک بلا نہیں جو آجکل نازل ہو رہی ہے۔ بلکہ قحط بھی پڑ رہا ہے۔ اگرچہ قریباً چار ماہ سے غلہ ہندوستان سے باہر نہیں جاتا۔ لیکن پھر بھی گرانی بہت بڑھ گئی ہے۔ اور گورنمنٹ قحط الاؤنس دے رہی ہے۔ اور اس بات پر غور کیا جا رہا ہے۔ کہ کیوں غلہ مہنگا ہو رہا ہے۔ یہ تو ظاہری ابتلا ہیں۔ جو اس وقت پوشیدہ ہیں۔ مگر ظاہر ہونے والے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جماعت احمدیہ کی نسبت لکھا ہے۔ کہ اس کو زلزلے پر زلزلے آئینگے۔ بہت مضبوط دل والے انسان قائم رہینگے۔ اور کمزور دل والے تو کہہ اُٹھیں گے۔ کہ نعوذ باللہ یہ سلسلہ ہی جھوٹا ہے۔ دیکھو ایک دو زلزلے ہی کیسے خطرناک آئے ہیں۔ کہ کئی لوگ علیحدہ ہو گئے ہیں۔ پھر چند دنوں سے میں متواتر دیکھ رہا ہوں۔ کہ کچھ ابتلا آنے والے ہیں قریباً مہینہ ہونے کو ہے کہ مختلف ابتلاؤں کا مجھے پتہ بتلایا گیا ہے۔ ان سب کا علاج صرف یہی ہے کہ استغفار کیا جائے۔ اور اپنی اصلاح کی جائے۔ اللہ تعالےٰ کا عذاب بندوں کی طرح نہیں ہوتا کہ بس پیس کر ہی رکھ دیتا ہے۔ بلکہ اگر انسان اصلاح کرے۔ تو عذاب دُور بھی ہو جاتا ہے۔ پس اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔ استغفار میں لگ جاؤ۔ اور دعاؤں میں مشغول ہو جاؤ۔ ابتلاؤں کے

دُور کرنے کے ذریعہ قرآن شریف نے جو بیان فرمائے ہیں۔ وُہ یہ ہیں۔ نماز روزہ اور صدقہ۔ اور یہ بڑا مجرب نسخہ قرآن شریف جیسی اعلیٰ نسخوں والی کتاب کا ہے۔ اس کے علاوہ استغفار کے بڑے مدارج ہیں۔ لیکن استغفار منہ سے ہی نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ عمل سے بھی اس کا ثبوت دینا چاہیئے۔ پس تم نماز۔ روزہ صدقہ اور توبہ میں لگ جاؤ۔ اور پیشتر اس کے کہ خدا تعالیٰ کے عذاب آئیں۔ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرلو۔ ان علاجوں میں سے جس جس کی کسی کو توفیق ہے وُہ اس پر عمل کرے۔ یاد رکھو۔ کہ اگر تم تبدیلی پیدا کرلو گے۔ تو خدا تعالےٰ تم کو ہر ایک قسم کے ابتلاؤں سے بچا لیگا۔ اور اگر کوتاہی کروگے۔ تو میں تو بڑے بڑے طوفان دیکھ رہا ہوں۔ تمہاری جماعت پہلے ہی کمزور ہے۔ اگر اس پر کچھ اور بوجھ پڑ گیا۔ تو پھر تم جانتے ہی ہو۔ کہ کیا حالت ہوگی۔ پس جو لوگ یہاں بیٹھے ہیں۔ وُہ سُن لیں۔ اور جو نہیں بیٹھے اُن کو سُنا دو۔ اب وقت ہے۔ کہ کچھ کرلو۔ یہ خدا تعالےٰ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ کہ اُس نے تم کو پہلے بتا دیا ہے۔ خدا تعالےٰ اپنی قدرت اور عذاب کے نظارے دُنیا میں دکھانا چاہتا ہے۔ اور جو لوگ ان لوگوں کی مشابہت اختیار کریں گے۔ جن کے لئے عذاب نازل ہونے والا ہے۔ ان پر عذاب آئے گا۔ اس لئے تم آج ہی سے تبدیلی پیدا کرنی شروع کردو۔ اور جسکو خدا نے توفیق دی ہے۔ صدقہ دے اور جسکو طاقت دی ہے روزے رکھے۔ اس وقت کے سوا اور کون سا وقت آئیگا۔ جبکہ تم اصلاح کروگے۔ عذاب آجانے کے بعد پھر کوئی موقعہ اصلاح کا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی چور چوری کی نیت کر کے گھر سے نکلے۔ اور وُہ راستہ ہی سے پلٹ آئے۔ تو وُہ بچ سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی چور سیندھ لگاتا ہوا پکڑا جائے۔ اور وُہ اس وقت کہے۔ کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔ تو کبھی نہیں بچ سکتا۔ پس اس وقت کو غنیمت جانو۔ اور جس قدر بھی اپنی حالتوں میں تغیر پیدا کرسکتے ہو کرلو۔ جس وقت بڑے عذاب آتے ہیں۔ اُس وقت خدا تعالیٰ کے فضلوں کے دروازے بھی کھلے ہوتے ہیں۔

اس لیے اگر کوئی انسان اس سے چھٹ کر گر جائے۔ تو وہ عذاب اس کیلئے فضلوں کا باعث ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہم کو ابتلاؤں سے بچائے اور بجائے تنزل کے ترقی عطا فرمائے۔ اور ہماری کمزوریاں دور کر کے ہمیں نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ خدا تعالیٰ ہماری جماعت کے ہر ایک فرد پر اس دنیا میں اور مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد بھی اپنے افضال نازل فرمائے اور جماعت کو ہر قسم کے تفرقہ اور ہر قسم کے ابتلاؤں سے محفوظ رکھے۔ آمین

خطبہ جمعہ

فرمودہ ۲۰۔ نومبر ۱۹۱۷ء

تمہارے لئے ہر ایک حجت پوری ہو چکی ہے تم نصیحت حاصل کرو!

اولم یھد لھم کم اھلکنا من قبلھم من القرون یمشون فی مساکنھم ان فی ذالک لاٰیٰت افلا یسمعون۔ اولم یروا انا نسوق الماء الی الارض الجرز فنخرج بہ زرعا تاکل منہ انعامھم و انفسھم افلا یبصرون۔

جسمانی اعضاء اللہ تعالیٰ نے انسان کو کچھ اعضا عطا فرمائے ہیں۔ ہاتھ ہیں۔ پاؤں ہیں۔ کان ہیں۔ آنکھیں ہیں۔ ناک ہے زبان ہے۔ اور یہ اس لئے دیئے ہیں۔ کہ انسان محتاج ہے۔ بہت سی اشیاء کا۔ اور وہ اشیاء تمام دنیا میں پراگندہ اور منتشر ہیں۔ اور دوسری مختلف قسم کی ایسی اشیاء میں ملی ہوئی ہیں۔ جو کہ بعض انسان کے لئے مضر ہیں۔ اور بعض مفید ہیں۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے انسان کے اعضا تین قسم کے بنائے ہیں۔ ایک وہ اعضاء ہیں جن کے ذریعہ سے انسان اپنی ضرورت کی چیزوں تک پہنچ جاتا ہے یا ان کو اپنے تک لا سکتا ہے۔ دوسرے وہ اعضاء ہیں۔ جن سے انسان مخلوط چیزوں

ہیں یہ فرق کر سکتا ہے۔ کہ کون میرے لئے مضر ہیں۔ اور کون مفید اور کونسی ایسی ہیں جن کا استعمال کرنا چاہیئے۔ اور کونسی ایسی ہیں جن کو اپنے گھر میں رکھنا چاہیئے اور کونسی ایسی ہیں۔ جو پھینک دینی چاہئیں۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ کہ بجائے نفع کے نقصان پہنچ جائے۔ تیسرے وہ اعضاء ہیں۔ کہ جب کوئی چیز استعمال کیجائے تو وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مثلاً پاؤں انسان کو کہیں سے کہیں لیجاتے ہیں۔ کوئی چیز جنگلوں میں کوئی آبادیوں میں۔ کوئی پانی میں۔ کوئی خشکی میں۔ کوئی پہاڑوں میں۔ کوئی غاروں میں ہوتی ہے۔ لیکن پاؤں ان سب تک انسان کو پہنچا سکتے ہیں پھر اس چیز کو ہاتھ پکڑ کرلے آتے ہیں۔ پھر کئی حسیں ہیں۔ جن سے انسان ان چیزوں میں سے اچھی اور بری چیزوں کو پہچانتا ہے۔ کانوں کے ذریعہ اچھی اور بری آواز معلوم کرتا ہے۔ آنکھوں کے ذریعہ بھلی اور بری اشیاء میں تمیز کرتا ہے۔ زبان کے ذریعہ خوش ذائقہ اور بدذائقہ کا پتہ لگاتا ہے۔ اور چھونے سے سخت اور نرم پہچانتا ہے۔ پھر اسی طرح ان چیزوں کے فوائد کے اثرات دیکھ کر عقل کے ذریعہ سمجھتا ہے۔ کہ کون میرے لئے مفید اور کون مضر ہیں۔

روحانی اعضاء تو جس طرح انسان کے جسم کے لئے یہ اعضاء خدا تعالےٰ نے بنائے ہیں۔ اور ہر قسم کے اشیاء سے فائدہ اٹھانے اور ان کے نقصانات سے بچنے کے ذرائع بتائے ہیں۔ اسی طرح روحانی اعضاء بھی ہوتے ہیں۔ روحانی کان بھی ہوتے ہیں۔ روحانی آنکھیں بھی ہوتی ہیں۔ روحانی قوتِ ذائقہ بھی ہوتی ہے۔ اور روحانی حسیں بھی ہوتی ہیں اور ان باطنی اعضاء کے ذریعہ ان چیزوں کو پہچانا جاتا ہے۔ جو روح کیلئے مفید یا مضر ہوتی ہیں۔ لیکن افسوس کہ ان اعضاء سے بہت کم لوگ فائدہ اٹھاتے۔ اور بہت تھوڑے اُن کو استعمال میں لاتے ہیں۔ کسی شخص نے ایک لطیفہ لکھا ہے۔ اور ہے تو وہ لطیفہ ہی۔ مگر عقلمند انسان ہر ایک بات سے سبق حاصل کر کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس لئے

یہ لطیفہ بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ لکھا ہے۔ کہ کسی بادشاہ نے برسبیل تذکرہ اپنے ایک وزیر سے پوچھا۔ کہ دُنیا میں اندھے زیادہ ہیں یا سوجاکھے۔ تو اُس نے کہا۔ حضور اندھے زیادہ ہیں۔ بادشاہ نے کہا۔ یہ بات تو مشاہدہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر ہم بازار میں جائیں۔ تو ہمیں سوجاکھے بہت نظر آتے ہیں۔ اور اندھے بہت کم ہوتے ہیں۔ اور اگر تمہاری بات صحیح ہے تو تم اندھوں کی ایک فہرست بنا کر دکھاؤ۔ اُس نے کہا۔ بہت اچھا۔ میں فہرست بنا کر حضور کے پیش کرونگا۔ اس کے بعد وُہ کہیں بازار میں بیٹھکر رسّی بٹنے لگ گیا چونکہ وُہ بادشاہ کا درباری تھا۔ اور یہ کام اُس کی حیثیت سے بہت گرا ہوا تھا۔ اسلئے جو کوئی گذرتا اس سے پوچھتا۔ کہ جناب کیا کر رہے ہیں۔ تو وُہ کہتا کہ رسّی بٹ رہا ہوں۔ اور پوچھنے والے کا نام اپنی فہرست میں لکھ لیتا۔ حتّٰی کہ بادشاہ بھی جب اس راستہ سے گذرا۔ تو اُس نے بھی یہی سوال کیا۔ کہ کیا کر رہے ہو؟ تو اُس نے کہا۔ رسّی بٹ رہا ہوں۔ اور بادشاہ کا نام بھی اسی فہرست میں لکھ لیا دوسرے دن اس نے بادشاہ کی خدمت میں وُہ فہرست پیش کر دی۔ کہ دیکھئے حضور اندھے زیادہ ہیں یا سوجاکھے؟ بادشاہ نے جب اپنا ہی نام سب سے پہلے دیکھا۔ تو حیران رہ گیا۔ اور پوچھنے لگا۔ کہ یہ کیا؟ اُس نے کہا۔ کہ حضور میں رسّی بٹ رہا تھا۔ اور جو گذرتا تھا۔ یہی پوچھتا تھا۔ کہ کیا کر رہے ہو؟ حالانکہ جو کچھ میں کر رہا تھا۔ وُہ ہر ایک کو نظر آتا تھا۔ چونکہ یہ لوگ باوجود دیکھنے کے پھر پوچھتے تھے۔ اسلئے میں نے اُن کو اندھوں میں ہی لکھ لیا ہے۔ تو اُس وزیر نے دُنیا کے لحاظ سے ایک معقول بات کہی۔ اور وُہ یہ کہ دنیا کے لوگ بہت چیزیں دیکھتے ہیں لیکن ان کے نتیجہ تک نہیں پہنچتے۔ ان لوگوں کو تو چاہیئے تھا۔ کہ اس سے سوال کرتے کہ کیوں ایسا کر رہے ہو؟ نہ یہ کہ کیا کر رہے ہو؟

دُنیا میں اندھے زیادہ ہیں

اب اگر ہم اس اصل کے لحاظ سے دُنیا میں غور کریں۔ تو اندھے بہت زیادہ ملیں گے۔ ایسے

لوگوں کی گو جسمانی آنکھیں ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت کو نہیں دیکھتے۔ ان کے جسمانی کان ہوتے ہیں۔ لیکن اصلیت کو نہیں سنتے۔ ان کی جسمانی زبان ہوتی ہے۔ لیکن حق کی بات نہیں پوچھتے۔ اور اگر کسی کے یہ جسمانی اعضا نہ بھی ہوں۔ تو کیا ہے۔ بڑی سے بڑی عمر انسان کی دو ڈھائی سو سال تک کی بھی اگر سمجھ لی جائے۔ حالانکہ آج کل تو کوئی بھی اس عمر تک نہیں پہنچتا۔ تو بھی ایک جسمانی اندھے کے لئے ایک محدود زمانہ تک یہ تکلیف ہے۔ لیکن روحانی اندھے کی حالت اس سے بہت بدتر ہوتی ہے۔ مگر جیسے ہم دیکھتے ہیں۔ تو جسمانی اندھے تھوڑے ہوتے ہیں۔ مگر روحانی اندھے بہت زیادہ نظر آتے ہیں۔ وہ عبرتناک نظارے دیکھتے ہیں۔ مگر عبرت نہیں پکڑتے۔ تباہیوں اور بربادیوں کے حالات سنتے ہیں۔ مگر غور نہیں کرتے۔ ایک جسمانی اندھا کیوں برا سمجھا جاتا ہے۔ کسی کی آنکھیں ہیں۔ اور کسی کی نہیں۔ تو اس میں حرج ہی کیا ہوا۔ یوں بھی تو دنیا میں ایک دوسرے انسان کے حالات میں فرق ہے۔ ایک بڑھئی کا کام کرتا ہے۔ تو دوسرا لوہار کا۔ ایک ایک کام کرتا ہے۔ تو دوسرا دوسرا۔ اسی طرح اگر ایک کی آنکھیں ہیں اور ایک کی نہیں۔ تو اس کو برا سمجھنے کی کیا وجہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ چونکہ اس کی تمیز کرنے کی ایک حس جاتی رہی ہے۔ اور وہ اپنے راستہ میں حائل ہونیوالے گڑھے یا دیوار کو نہیں پہچان سکتا۔ اور وہ اپنے آپ پر حملہ کرنیوالے دشمن کو نہیں دیکھ سکتا اور نہ اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر کر سکتا ہے۔ وہ نور اور ظلمت میں فرق نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ اوروں سے زیادہ دکھ اور تکلیف میں ہے۔ اور واقعی اس کے لئے بڑا دکھ ہے۔ اس لئے وہ رحم کے قابل ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ روحانی اندھا اس سے زیادہ دکھ میں ہوتا ہے۔ اور اس کی حالت اس کی نسبت بہت زیادہ قابل رحم ہوتی ہے۔ ایک جسمانی اندھا آنکھوں کے نہ ہونے کی وجہ سے گڑھوں میں گرتا ہے۔ تاہم پھر بھی وہ لاٹھی سے کچھ نہ کچھ اونچ نیچ معلوم کر ہی لیتا ہے۔ مگر روحانی اندھوں کے لئے کوئی ایسی لاٹھی نہیں ہوتی۔ کہ جس کے ذریعہ سے وہ اپنے

آگے کے گڑھوں اور روکوں کو معلوم کر سکیں۔ جسمانی اندھا تو دوسروں کی بات سن کر سمجھ جاتا ہے۔ کہ گڑھے ہیں گر نے یا کسی چیز سے سر ٹکرا لینے سے بچ جاتا ہے۔ مگر روحانی اندھے ہیں یہ عجیب بات ہوتی ہے۔ کہ وہ بہرا بھی ہوتا ہے۔ اور جو روحانی بہرہ ہوتا ہے۔ وہ اندھا بھی ضرور ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی گونگا بھی ہوتا ہے۔ اور جب کسی انسان کی روحانی آنکھوں پر پردہ پڑ جائے۔ تو ساتھ ہی اس کی دوسری حسیں بھی ماری جاتی ہیں۔ اس لئے روحانی اندھا بہت خطرناک مصیبت اور دکھ میں ہوتا ہے۔ لیکن باوجود اس حالت کے دیکھا جاتا ہے۔ کہ دنیا میں روحانی اندھے اور بہرے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

روحانی اندھے کون ہوتے ہیں ایک نبی جب دنیا میں آکر آواز دیتا ہے۔ تو بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ جو اس کی آواز پر کان دھرتے ہیں۔ پھر اس قلیل جماعت میں سے بھی بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جو نبی کی آواز کو سن تو لیتے ہیں۔ لیکن ان کی بینائی کی طاقت بہت کمزور ہوتی ہے۔ اور پھر ایک وقت میں ماری جاتی ہے۔ ایسے لوگ روحانی اندھے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے۔ کہ کیا ان لوگوں کو کوئی ہدایت نہیں دی۔

اس بات نے کہ ان سے پہلے کئی نسلوں اور قوموں کو ہم نے تباہ کر دیا ہوا ہے۔ ان سے پہلے بڑی بڑی قومیں دنیا میں ایسی گذری ہیں۔ جو صدیوں تک حکومت کرتی رہی ہیں۔ مگر اب ان کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ اس وقت سب سے پرانی دنیا کی تاریخ دس ہزار سال تک کی ملتی ہے۔ اور بعض ممالک تو ایسے بھی ہیں۔ کہ جن کے تین چار ہزار سال سے پہلے کے حالات معلوم نہیں ہو سکتے۔ آج کل لوگ ان تباہ شدہ قوموں کے برباد شدہ مکانوں اور گھروں میں چلتے اور پھرتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے کہ یہ ان کے لئے عبرت اور نصیحت کے نشان ہیں ان کو دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ اور ان سے کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ تو بتاؤ۔ کہ ان سے زیادہ اندھے اور کون ہوں گے۔ جو شخص ایک انسان کی آواز نہیں سنتا۔ وہ بہرہ

کہلاتا ہے۔ مگر ان کی نسبت تو خدا تعالے نے فرماتا ہے۔ کہ ہزاروں سال
کی وہ قومیں جو تباہ ہو چکی ہوئی ہیں۔ ان کو چیخ چیخ کر سنا رہی ہیں
مگر پھر بھی نہیں سنتے۔ تو ان سے زیادہ بہرہ اور کون ہوگا پھر فرمایا
یہ بہرے ہی نہیں۔ بلکہ اندھے بھی ہیں۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ کس
طرح ہم پانی لاتے ہیں۔ اور ایک بے برگ وگیاہ زمین جس میں سبزی
کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا۔ پانی پڑنے کی وجہ سے اس میں سے کس
طرح کھیتیاں اگ آتی ہیں۔ کیا یہ دیکھ کر بھی ان لوگوں کو ہدایت نہیں آتی۔
اور یہ اس بات سے خوش نہیں ہوتے مگر ان کے لئے بھی ہم نے سامان بنائے
ہوئے ہیں۔ اور یہی ان سامانوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تو کیسے سرسبز ہوجاتے
ہیں۔ حضرت زکریا نے حضرت مریم سے جبکہ وہ بچہ تھیں۔ پوچھا۔ کہ کھانا کہاں
سے آیا ہے۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ اس کہنے پر
حضرت زکریا پر اتنا اثر ہوا۔ کہ اسی جگہ دعا کی۔ کہ اے الٰہی مجھے بھی اولاد دیجئے
تاکہ میں بھی اس طرح کی باتیں اس سے سنوں۔ تو نبیوں کا کام ہوتا ہے
کہ ہر ایک چھوٹی سے چھوٹی چیز کو دیکھ کر بھی فائدہ حاصل کرتے ہیں مگر جو لوگ
کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے۔ ان کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ہر روز کھیتیوں
کو دیکھتے ہو۔ اور کونسی ایسی جگہ ہے۔ جہاں کھیت نہیں ہوتے۔ شاید
مکہ والے کہہ دیتے۔ کہ ہمارے ہاں نہیں ہوتا۔ لیکن ان کی نسبت
خدا تعالے نے فرماتا ہے۔ اولم نمکن لھم حرما امنا یجبی الیہ ثمرات
کل شئی رزقا من لدنا۔ کہ تم بھی اس کا انکار نہیں کرسکتے تم پر تو یہ بات بڑا فضل کیا
گیا ہے۔ کہ تمام دنیا کے پھل تمہارے پاس کھنچے چلے آتے ہیں۔ لیکن
پھر تم ہر روز دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ اور سنتے ہوئے نہیں سنتے۔ اس
قسم کی مخلوق بڑی قابل رحم ہوتی ہے۔ اور یہ بڑے دکھ میں پڑی
ہوئی ہوتی ہے۔

قرآن کی ترتیب الفاظ کی لطافت | ۔ناکل منه انعامهم وانفسهم ہیں
اللہ تعالےٰ نے ایک بہت ہی لطیف ترتیب رکھی ہے۔ انعام پہلے رکھا ہے
اور انفس کو پیچھے۔ کہ کھیتوں سے ان کے چوپائے بھی کھاتے ہیں۔ اور یہ خود
بھی کھاتے ہیں۔ حالانکہ انسان پہلے ہونا چاہیئے تھا۔ کیوں کہ سب چیزیں
انسان کے لیئے ہی بنائی گئی ہیں۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو
پہلے رکھا ہے۔ اور چوپایوں کو پیچھے فرمایا ہے۔ فلینظر الانسان الی طعامہ
انا صببنا الماء صبا ثم شققنا الارض شقا۔ فانبتنا فیہا حبا وعنبا وقضبا
وزیتونا ونخلا وحدائق غلبا وفاکھۃ وابا متاعا لکم ولانعامکم
اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں قرآن شریف نے ایک قاعدہ کلیہ بیان کر دیا ہے
کہ دنیا کی ہر ایک چیز انسان کے لئے ہے اور اسی کے فائدے کے لئے بنائی
گئی ہے۔ اور واقعہ میں چونکہ انسان خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے اس لئے
ہر ایک چیز اسی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تو یہاں انعام سے پہلے انسان چاہیئے
تھا۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے پہلے ہی رکھا۔ لیکن کھیتی میں سے چوپائے انسان
سے پہلے کھاتے ہیں۔ اور انسان تو کھیتی پک جاتی ہے۔ تب اس میں سے کھاتا
ہے۔ اس لئے انسان کو اس جگہ پیچھے رکھا۔

تنزل عبرت کا سامان ہیں | اللہ تعالیٰ یہ کھیتوں کے تفاوت اور گذری ہوئی
قوموں کی باتوں کی نسبت فرماتا ہے کہ ان میں بڑے نشانات ہیں۔ یہ دو
آئیتیں جو میں نے پڑھی ہیں۔ ان میں خدا تعالےٰ نے ایک نہایت لطیف مضمون
بیان فرمایا ہے۔ انسانوں کے تنزل کے دو ہی سبب ہوا کرتے ہیں۔ ایک
استغنا کہ لوگ کہہ دیتے ہیں۔ کہ ہمیں کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کی
نسبت فرمایا۔ اولم یھد لھم کم اھلکنا من قبلھم من القرون
یمشون فی مسکنھم ان فی ذالک لآیت افلا یسمعون۔ تم کو کیوں پرواہ نہیں
ہے۔ تم سے کئی پہلی قوموں نے اسی طرح کہا تھا۔ اس لئے وہ تباہ و برباد ہو گئیں۔

تم ان کے تباہ ہونے سے نصیحت حاصل کرو۔ دوسرا سبب ناامیدی ہوتا ہے۔ ایسے لوگ کہہ دیتے ہیں۔ کہ ہم کیا کریں۔ ہم سے تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کی نسبت فرمایا۔ اولم یروا انا نسوق الماء الی الارض الجرز فنخرج بہ زرعًا تاکل منہ انعامھم وانفسھم کیا تم دیکھتے نہیں۔ کہ کیسی بنجر زمین ہوتی ہے۔ اس میں جب ہم پانی ڈالتے ہیں۔ تو کھیتی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہم جب خشک زمین سے سرسبز کھیتی پیدا کر سکتے ہیں۔ تو کیا ہم تمہارے دلوں میں کچھ نہیں اُگا سکتے۔ ضرور اُگا سکتے ہیں۔ تو یہاں خدا تعالےٰ نے ان دو تنزلوں کے سببوں کو توڑ دیا ہے۔

جماعت احمدیہ کو خطاب | تم لوگوں نے بھی دونوں نظارے دیکھے ہیں ایک تو ان نظاروں کو قرآن شریف میں پڑھا ہے۔ پھر یہی نظارے تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ کیونکہ تمہارے زمانہ میں ایک خدا تعالیٰ کا مامور آیا۔ جس کا جن لوگوں نے انکار کیا۔ خدا نے تمہارے سامنے ان کو ذلیل کر دیا۔ قادیان آتے ہوئے راستہ میں بٹالہ ہے۔ وہاں محمد حسین ہی کو دیکھ لو۔ سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اسی نے کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ اسوقت اس کی بہت عزت ہوتی تھی۔ مگر آج اس کو دیکھو۔ کہ کس حالت میں ہے۔ پھر بہت سی بستیاں مسیح موعود کے انکار کی وجہ سے تباہ ہو چکی ہیں۔ تو تم نے یہ نظارے سنے اور پڑھے ہی نہیں۔ بلکہ آنکھوں سے دیکھے بھی ہیں۔ پھر ایک انسان کو تمہارے دیکھتے دیکھتے خدا تعالیٰ نے کامیاب کر کے دکھا دیا۔ اور لاکھوں انسانوں کی جماعت پیدا کر دی ہے۔ تم نے نہ پہلی تباہ شدہ قوموں کا حال پڑھا ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں دیکھ لیا ہے۔ اور تمہارے سامنے کھیتوں میں پانی برسنے اور ان کے اُگنے کے ہی نظارے نہیں ہیں۔ بلکہ تم نے ایک ایسا کامل انسان دیکھ لیا ہے۔ جس پر خدا نے اپنے فضل کا مینہ برسایا۔ اور اس کو سرسبز کر کے دکھا دیا۔ تو دنیا عذر کر سکتی ہے تو کرے۔ مگر تم خوب یاد رکھو۔ کہ تم کوئی عذر نہیں کر سکتے۔ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمنے

کسی پر خدا کا عذاب نازل ہوتا نہیں دیکھا۔ اور تم نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں معلوم نہیں
کہ خدا تعالیٰ کی نافرمان قوموں کا کیا حال ہوتا ہے۔ اور ان کو کیا سزا ملتی ہے اور تم
یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں کھیتوں کے نظارہ سے نصیحت حاصل کرنی نہیں آتا۔ کیونکہ
تم نے ان نظاروں کو دیکھ لیا ہے۔ پس تمہارے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔ تم اگر اپنی
اصلاح نہ کروگے۔ تو سب سے بڑے مجرم ہوگے۔ اس لئے تم اپنے اندر تغیر پیدا کرلو۔
تبدیلی کرلو۔ تمہارے لئے ہر ایک حجت پوری ہو چکی ہے۔ تم نصیحت حاصل کرو۔
اور خدا کے فضل اور انعاموں سے استفادہ کرو۔ خدا تعالیٰ بڑی طاقت رکھنے
والا ہے۔ لیکن اس کے فضل سے ناامید بھی نہ ہونا۔ دیکھو خدا تعالیٰ کا فضل جب
آتا ہے۔ تو بسی کو جس پر انسان تھوکنا بھی پسند نہیں کرتا۔ سرسبز کر دیتا ہے۔ اور پھر
لوگ اسی کے سیر کے لئے جاتے ہیں۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بڑے سخت ہوتے
ہیں مگر فضل بھی بڑھ بڑھ کر کرتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا قہر بڑا ہے۔ تو رحم بھی بڑا ہے
سو تم خدا تعالیٰ کے قہر سے بچ کر اس کے رحم کے طالب ہو جاؤ۔ اور غضب سے ڈر کر فضل
کے جاذب بن جاؤ۔

خدا تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے۔ ہم نے کب اس کے حضور عرض کیا تھا۔
کہ ہمیں مسیح موعود بھیجو۔ اس نے خود ہی اپنے فضل سے ہم پر احسان کیا۔ پس
اس وقت اپنے دلوں کے دروازے کھول دو۔ اور فائدہ اٹھالو۔ اپنے کھیتوں
کے گرد آڑیں بنالو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی بارش کا پانی اس میں پڑے
اور بہہ کر نکل نہ جائے۔ اب اس شان کا انسان جیسا کہ تم نے دیکھا ہے۔ دنیا
میں نہیں آئیگا۔ بہت لوگ ایسے تھے۔ جو کہتے تھے۔ کہ اگر ہم آنحضرت کے زمانہ میں
ہوتے۔ تو ایسا کرتے۔ ان لوگوں کی اصلیت ظاہر کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے
تمہیں اپنے ایک برگزیدہ کو بھیج دیا۔ کہ اب ہی کچھ کرکے دکھا دو۔ لیکن انہوں نے جو
کچھ کیا۔ وہ معلوم ہی ہے۔ تو پھر کبھی یہ دن نہیں آئیں گے تم ان سے فائدہ اٹھالو۔ خدا

خطبہ جمعہ

فرمودہ ۶ نومبر ۱۹۱۴ء

تکمیل منارۃ المسیح کیلئے تحریک

حضور نے سورہ فاتحہ پڑھ کر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بہت بڑے بڑے احسان ہیں مگر بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے منہ سے الحمد للہ نکلتی ہے۔ ایک ایک ذرہ ہمارے جسم کا۔ اور ہر ایک ذرہ ہمارے کھانے کا جو ہمارے پیٹ میں جاتا ہے۔ اور ہر ایک قطرہ پانی کا جسے ہم پیتے ہیں۔ اور تمام وہ ہوا جو ہمارے ارد گرد پھیلی ہوئی ہے۔ اور ہر ایک سانس کے ساتھ ہمارے اندر جاتی ہے اور ہر ایک چیز جس پر ہماری نظر پڑتی ہے۔ اور ایک ایک لفظ جو ہوا کے ذریعہ ہمارے کانوں میں جاتا ہے اور ہر ایک چیز جسے ہم چھوتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلاتی ہے مگر پھر بھی بہت کم لوگ ہیں جو اس قدر احسانات کی قدر کرتے ہیں۔ وہ کیا زمانہ تھا جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ کیا۔ پھر دنیا نے کس طرح آپ کا انکار کیا اور آپ سے ٹھٹھا اور ہنسی کرتے تھے۔ کہنے والے نے تو یہاں تک کہدیا کہ میں نے ہی اسے بڑھایا تھا اور اب میں ہی اسے گھٹاؤں گا۔ اور واقعہ میں اس وقت کے حالات ایسے تھے کہ وہ ایسا کہہ سکتا تھا۔ اس نے سمجھا کہ میں نے ہی اشاعۃ السنۃ میں اس کی کتاب کی تعریف کی ہے۔ اور میری وجہ سے یہ مشہور ہوا ہے اور میں ہی اب ایک مضمون اس کے خلاف لکھدوں گا۔ اور میں ہی اس پر کفر کا فتویٰ لگادوں گا۔ تو یہ گر جائے گا۔ تو تمام لوگ اسے چھوڑ دیں گے۔ لیکن وہ کیا جانتا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ نے ایک بیج اپنے ہاتھ سے بویا ہے۔ اور وہ اسے اتنا بڑھائیگا اور اس درخت کو اتنا بڑا بنائے گا کہ اس کے سایہ میں جتنے لوگ آنا

چاہیں گے خواہ لاکھوں ہوں یا کروڑوں آجائیں اور اس کا سایہ سب کے لئے ہوگا۔ اور اس کی شاخیں پھیلیں گی اور اس کے نیچے چاہے کتنے آدمی آجاویں وہ سب کو اپنے سایہ میں لے لیگی اور کسی کو سایہ میں لینے سے انکار نہ کریگی۔ ہاں بدبخت انسان اس کے سایہ کے نیچے آنے سے انکار کریں گے کیونکہ خدا تعالیٰ کے رازوں کو وہی لوگ جانتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور آپ کی اس قدر مخالفت ہو رہی ہے۔ اس لئے معلوم نہیں ہوتا کہ حضور کو لوگ کس طرح پہچان کر مان لیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ پہلی رات کے چاند کو تمام دنیا دیکھ نہیں سکتی مگر وہ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اندھوں کے سوا سارے لوگ دیکھ سکتے ہیں۔ تو اس وقت آپ کی شان اور قدر کو کون سمجھ سکتا تھا۔ لیکن آج اللہ تعالیٰ نے ثابت کر دیا کہ گو خدا کا مسیح اب موجود نہیں ہے مگر اس کے لگائے ہوئے پودے کو خدا خود سیراب کر رہا ہے۔ اور خدا کے ہاتھ اس کے بوئے ہوئے بیج کی پرورش کر رہے ہیں۔ ہماری طرف سے کونسی کوشش ہوئی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ لوگوں کے پاس کسی نہ کسی ذریعہ سے حضرت مسیح موعود کی باتیں پہنچ ہی جاتی ہیں۔

سیلون سے ایک آدمی کا خط آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ میں نے آپ کی کتابیں دیکھیں اور آپ کو مان چکا ہوں۔ اب مجھے آپ بتلائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اور کس طرح اور لوگوں کو بھی یہ حق پہنچاؤں۔

ہماری طرف سے وہاں کون گیا ہے۔ اور کس نے اس کو کتابیں دی ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا اپنا ہی کام ہے۔ ماریشس سے ایک آدمی کا خط آیا ہے۔ وہ بھی اس طرح لکھتا ہے۔ ہم میں سے کس نے یہ کوشش کی اور کون وہاں گیا ہے۔ کوئی نہیں گیا یہ باتیں اسی نے وہاں پہنچائی ہیں۔ جس نے تمام دنیا میں سے ایک ایسے نشان بستی میں رہنے والے انسان کے دل کو اپنے لئے چنا اور جس میں یہ قدرت تھی اسی نے ان دلوں کو دنیا میں تلاش کیا جن میں اس کی تائید کا جوش پایا جاتا تھا۔ اور اسی نے سیلون اور ماریشس وغیرہ میں اپنے دل تلاش کئے جن میں صداقت کا مادہ تھا۔

اسی قادیان میں ایسے لوگ موجود ہیں جو نہیں جانتے۔ کہ مرزا (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کیا کرتا رہا ہے۔ وہ ایک دوکاندار ہی سمجھتے ہیں۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ مرزا کا خدا تعالیٰ سے کیا تعلق تھا۔ اور خدا تعالیٰ کا مرزا سے کیا تعلق تھا۔ مگر سیلون۔ افریقہ۔ عرب۔ ماریشس۔ برہما۔ مالابار وغیرہ وغیرہ علاقوں میں کس طرح خدا تعالیٰ نے آپ کی صداقت کا بیج پھیلا دیا۔ اور کس طرح اپنے فضل سے اب پھیلا رہا ہے۔ واقعہ میں دنیا پر اللہ تعالیٰ کے فضل بے انتہا ہیں۔ لیکن لوگ قدر نہیں کرتے۔

میں نہیں سمجھتا۔ کہ لوگ کون سا ایسا کام کرتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل اور رحم سے ان میں ایک نبی مبعوث فرماتا ہے۔ اور پھر ایسے لوگوں میں جو کہتے ہیں۔ کہ ہم اس نبی کو قبول نہیں کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ ان پر اپنا فضل نازل کرتا ہے لوگ اس کا رد کرتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ ان کو دیتا ہے۔ لوگ انکار کرتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ اس انعام کا اعادہ کرتا ہے۔ لوگ کفر کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اس پر اصرار کرتا ہے۔ اور انہیں یہ انعام عنایت فرماتا ہے۔ یہ خالق ہی کا کام ہے۔ جو اس طرح کرتا ہے۔ حدیثوں میں ایک خبر آئی ہے۔ اور وہ یہ کہ:-

"مسیح ایک منارہ پر نازل ہوگا"۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس منارہ کے بنانے کی تجویز کی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو پورا کرنا انسان کا فرض ہے۔ اسلئے حضرت مسیح موعودؑ نے ایک مینار کی بنیاد ڈالی تھی۔ . . .

. . . اس وقت کے حالات کے مطابق مینار کا بننا مشکل کام تھا۔ مجھے خوب یاد ہے۔ کہ حضرت صاحب نے مشورہ کے لئے چند آدمی جمع کئے تھے۔ بھٹہ تیار ہو رہا تھا۔ اینٹیں بن رہی تھیں۔ بنیادیں کھودی جا رہی تھیں۔ کہ حکیم حسام الدین صاحب مرحوم آئے۔ انہوں نے حضرت صاحب کے سامنے کھڑے ہوکر کہا حضور اس کے لئے دس ہزار روپیہ کی ضرورت ہے حضرت صاحب بار بار فرماویں۔ کہ کوئی ایسی تجویز بتاؤ کہ اس سے کم روپیہ خرچ

ہو۔ ہماری جماعت کمزور ہے۔ کہاں دس ہزار روپیہ دے سکیگی۔ اس وقت واقعی اسقدر روپیہ کا جمع ہونا بھی مشکل تھا۔ مگر آج باہر جاکر دیکھ لو۔ ڈیڑھ لاکھ کی عمارتیں کھڑی ہیں۔ اسوقت جتنا مینارہ بنا بنا۔ اور پھر اُسوقت بعض وجوہات سے بننا رُک گیا۔ مجھے خوب یاد ہے۔ کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور اُس نے عرض کیا۔ کہ حضور نے مینار کے بنانے کے متعلق اعلان کیا تھا کہ بنیگا۔ اور اب رُوک دیا گیا ہے۔ اسلئے مخالف لوگ ہنس رہے ہیں۔ اور ہم سے مخول کرتے ہیں۔ آپ نے ہنس کر فرمایا۔ کہ اگر سارے کام ہم ہی کرجائیں۔ تو بعدمیں آنیوالے لوگ کیا کرینگے۔ اور وُہ کسطرح ثواب لیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ بہت سی برکات ایسی ہیں۔ جن کا نزول مینار کے بننے پر ہوگا۔

اللہ تعالٰے کا ہر ایک کام اندازے کے ماتحت چلتا ہے۔ اور جو وقت اس کے پورے ہونے کا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے خواہ کتنا ہی زور مارا جائے۔ نہیں ہوسکتا۔

ایک وقت وہ تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جیسا عظیم الشان انسان فرماتا تھا۔ کہ مینار کے خرچ کیلئے دس ہزار سے کم روپیہ کا اندازہ کرو۔ کیونکہ جماعت اس کو برداشت نہیں کرسکتی۔ پھر آج یہ وقت ہے کہ ڈیڑھ لاکھ کی عمارت باہر تیار کھڑی ہے۔ اور اس کا سب روپیہ اسی جماعت نے دیا ہے۔ پھر آپ کا یہ فرمانا کہ اگر سب کام ہم ہی کرجائیں تو دوسروں کو ثواب کا موقعہ کسطرح ملے۔ اللہ تعالٰے نے شاید اُس کیلئے یہی زمانہ رکھا ہوگا۔ پرسوں مجھے خیال آیا۔ کہ ہم نے جہاں اور بہت سے کام شروع کئے ہوئے ہیں۔ اور پانچ چھ ہزار روپیہ کا ہوا خرچ ہے۔ وہاں اسکو بھی شروع کردیا جاوے۔ اور اس میں بھی کچھ خرچ ہوتا رہے۔ اور یہ آہستہ آہستہ بنتا رہے۔ اور خداتعالٰے ہمیں اس کی تکمیل کا شرف عطا فرمادے۔ اور اس کی برکات کی وجہ سے ابتلا دُور ہوجاویں۔

مینارہ کی تکمیل ہونے پر حضرت صاحب نے بہت سی برکات کے نزول کا

وعدہ فرمایا تھا۔ آجکل بہت سے ابتلاء آنیوالے ہیں۔ ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ
اس کیوجہ سے ہی ان میں بھی تخفیف کردے۔ اور ہمیں بچالے۔

شائد تم لوگ یہ سامنے کی کھٹ کھٹ دیکھ کر حیران ہو گے کہ یہ کیا ہونے
لگا ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ کہ یہ ایک امانت ہمارے ذمہ تھی۔ میں نے چاہا
کہ اگر خدا تعالیٰ توفیق دے۔ تو اس کو پورا کیا جائے۔ اس لئے میرا ارادہ ہے
کہ جمعہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ کر کے اس کام کو شروع کرادیں اور
جس طرح اللہ تعالیٰ کیطرف سے توفیق ملتی رہیگی۔ مینار بنتا رہے گا۔ اور خدا
تعالیٰ کے فضل سے ہی مکمل ہو جائیگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے کہ اس نے
حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کا کوئی کام بھی ادھورا نہیں رکھنا چاہا۔ حضرت مسیح موعودؑ
نے کام تو جتنے شروع کئے تھے۔ سارے ایسے ہی معلوم ہوتے تھے۔ کہ کون ان کو پورا
کریگا۔ مگر خدا تعالیٰ نے جس کا کفیل ہو۔ اس کے کاموں کو کون روک سکتا ہے سو اس کی
توفیق سے سب کام ایک ایک کر کے پورے ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق
دے کہ یہ کام بھی ہماری زندگی میں پورا ہو جائے۔ تاکہ حضرت صاحب نے جو یہ فرمایا
ہے۔ کہ وہ ثواب کون لے۔ جس کے ہم ہی مستحق ہو جائیں۔ اور ہم ہی لے لیں اور خدا
تعالیٰ کے فضل سے کیا بعید ہے۔ مگر تم دل سے اللہ تعالیٰ کے انعاموں کی قدر اور شکر کرو۔
کیونکہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے۔ لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید
اگر انسان خدا کے انعامات کا شکر کرے تو خدا تعالیٰ کا شکر کرنیوالے کو بڑی ترقیات دیتا ہے۔

سو تم یہ خیال مت کرو۔ کہ تم نے بھی دین کی کوئی خدمت یا کام کیا ہے بلکہ تم خدا
کا شکر کرو۔ کہ اس نے تمہیں دین کی خدمت کرنے کا موقعہ دیا ہے تم اپنی خدمات
کا خیال بھی کبھی دل میں نہ لاؤ۔ خوب یاد رکھو۔ کہ جن لوگوں نے یہ کہا۔ کہ ہم نے
خدمت دین کیں۔ انہیں کو ٹھوکر لگتی ہے۔ اور پھر ایسی ٹھوکر لگتی ہے کہ پھر انکو اٹھنے کا
موقعہ ہی نہیں ملتا پس تم یہ خیال کرو کہ ہمنے یہ کام کیا ہے۔ تمہاری ہستی ہی کیا ہے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی نہیں کہا۔ کہ میری وجہ سے اس طرح ہوا ہے۔

حضرت عائشہ رض روایت کرتی ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کہ حضورؐ وفات کے بعد کہاں جائینگے۔ تو آپ نے فرمایا۔ اگر اللہ تعالےٰ کا فضل ہُوا۔ تو جنّت میں جاؤنگا۔ انہوں نے عرض کیا۔ کیا آپ کو بھی جنّت میں جانے کی نسبت معلوم نہیں ؟ تو آپ نے فرمایا۔ کہ جنّت میں جانا اعمال پر منحصر نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل پر ہے۔ وُہ جس کو چاہیگا۔ جنت میں داخل کر دیگا۔

تو نبی کریمؐ جیسے عظیم الشان انسان نے بھی اپنا جنّت میں جانا۔ اللہ تعالےٰ کے فضل پر منحصر بتلایا۔ اور آپ نے یہ نہیں کہا۔ کہ میں نے ایسے ایسے کام کئے ہیں۔ اسلئے میں ضرور جنّت میں جاؤنگا۔ بلکہ آپ نے اعمال کو ہیچ سمجھا۔ تو اور کون ہے۔ جو اپنے اعمال پر بھروسہ رکھ سکے۔ جب حضرت خاتم النبیین جیسا انسان اتنی احتیاط کرتا ہے اور وہ بھی خدا کی قدرت اور جلال کو دیکھکر اپنی کمزوری اور عاجزی کا اقرار کرتا ہے تو تمہاری کیا ہستی ہے ۔

پس تم اللہ تعالےٰ کے احسانات کا شکریہ ادا کرو۔ اگر تمہارے ہاتھوں سے کوئی خدمت سر انجام ہو۔ تو یہ نہ کہو کہ ہم نے ایسا کیا۔ بلکہ خدا کا شکر کرو۔ کیا لاکھوں انسان ایسے نہیں ہیں جنکو حضرت مسیح موعودؑ کا علم ہی نہیں۔ انہیں آپکی شناخت کا موقعہ نہیں ملا۔ لیکن تم نے کیا کیا تھا۔ کہ تمہیں شناخت کی توفیق ملی۔ یہ خدا تعالےٰ کا فضل تھا۔ پھر کیا لاکھوں انسان ایسے نہیں ہیں۔ جن کو آپ کی خبر ہوئی۔ لیکن انہوں نے انکار کردیا لیکن تمہارے کونسے اعمال تھے۔ کہ تمہیں مسیح موعودؑ کے ماننے کی توفیق ملی۔ یہ خدا تعالےٰ کا فضل، رحم اور احسان ہی تھا۔ اور کچھ نہ تھا۔ پھر کیا ہزاروں انسان ایسے نہیں ہیں۔ جنھوں نے آپ کا انکار تو نہیں کیا۔ لیکن اُن کو ایمان لانا نصیب نہیں ہُوا۔ لیکن تم میں کونسی خوبی تھی کہ تمہیں یہ موقعہ حاصل ہُوا۔ یہ صرف خدا تعالےٰ کا فضل ہی تھا۔ پھر کئی انسان ایسے ہیں جنھوں نے آپ کو مان کر انکار کر دیا۔ لیکن تم نے کونسے ایسے کام کئے تھے کہ خدا تعالےٰ نے تمہارے ایمان کی حفاظت کی۔ یہ محض اس کا فضل تھا پھر ایسے بھی انسان ہیں جنھوں نے مان کر انکار تو نہیں کیا۔ لیکن کسی اور وجہ سے انکو ٹھوکر

لگ گئی ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ تم محفوظ رہے ہو۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہی ہے۔

پھر ہزاروں لوگ قادیان میں آئے۔ لیکن انہیں خدمتِ دین کا اس قدر موقعہ نہ ملا۔ جس قدر تم کو ملا ہے۔ لیکن تم نے کونسا کام کیا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ نے تم کو یہ موقعہ دیا ہے۔ یہ اس کا احسان اور فضل ہی ہے تم میں سے کون ہے جو یہ دعوی کرے۔ کہ میری وجہ سے یہ جماعت بڑھی۔ اور میری وجہ سے یہ سلسلہ قائم ہوا۔ جو خدا اتنے دلوں کو یہاں پھیر کر لایا ہے۔ اور آج تک مسیح موعودؑ کے کاموں کو انجام دیتا رہا ہے۔ وہ اب باقی کاموں کیلئے تمہارا ہرگز ہرگز محتاج نہیں ہے تم اگر کوئی خدمتِ دین کرتے ہو تو شکر یہ کرو۔ کہ خدا نے تمہیں اپنے فضل سے یہ موقعہ دیا ہے۔

انبیاء کی صحبت میں بیٹھنے والوں کا بھی کیا عجیب حال ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک صحابی کو بلا کر فرمایا۔ کیا تمہیں کچھ بتائیں۔ اس نے عرض کی۔ حضور فرمائیے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ خدا نے مجھے کہا ہے۔ کہ میں تمہیں سورۂ فاتحہ پڑھاؤں۔ اس نے تدبر دیکر پوچھا۔ کیا خدا نے آپکو فرمایا ہے کہ آپ مجھے سورۂ فاتحہ پڑھائیں۔ اور اس فقرہ کو بار بار دہراتا تھا اور زور سے روتا جاتا تھا اور کہتا تھا۔ کہ کیا میں بھی اس لائق ہوں کہ خدا تعالیٰ مجھے یاد کرے۔ تو واقع میں انسان کا یہی کام ہے۔ کہ اپنے آپ کو کچھ بھی نہ سمجھے۔ لاکھوں انسان مسیح موعودؑ کے زمانہ کو ترستے گئے ہیں۔ پھر وہ کیسے خوش قسمت ہیں۔ جنہیں خدا تعالیٰ نے اپنا مامور بھیج کر اپنی طرف بلایا۔ اور اُن سے کچھ کام لیا۔ اگر انسان اپنے آپ کو اور اللہ کے احسانوں کو دیکھے۔ اور غور کرے۔ تو اسے اپنی حقیقت معلوم ہو جائے۔ اس سے زیادہ اللہ کا اور کیا فضل ہوگا۔ کہ ایک نطفہ سے پیدا شدہ کو خدا فرمائے۔ کہ ہم تم سے یہ کام لیتے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ کے احسانوں کی قدر کرو۔ اور دعا کرو کہ خدا تعالیٰ تم سے یہ کام بھی لے لے۔ حضرت صاحب نے اس کے لئے بڑی بڑی دعائیں کیں۔ اور بڑی بڑی دعاؤں کے بعد اس کی بنیادیں رکھی تھیں۔ شاید ہماری غلطیوں کی وجہ سے اس میں روک پڑ گئی ہو۔ آؤ۔ اب پھر ہم دعائیں کریں

اور بہت دعائیں کریں۔ تاکہ خداتعالیٰ اس کی تکمیل کی ہمیں توفیق دے۔ اور شکریہ ادا کرو۔ کہ تم کو بہت سے کام کرنے کی توفیق ملی ہے۔ خداتعالیٰ ہم سے نیک اور پاک خدمتیں لے۔ اور ہم شکر گذار بنیں۔ ہم میں تکبر پیدا نہ ہو پہلا گناہ ہی آیا ہے جو تکبر سے پیدا ہوا۔ خداتعالیٰ نہیں آبا اور استکبار سے محفوظ رکھے۔ ہمارا انجام نیک ہو۔ خداتعالیٰ کی رضا کے ماتحت ہماری زندگی اور موت ہو۔ اس کی رضا کے ماتحت جو کام ہم سے ہو گئے ہیں یا ہوں گے ان سے آگے دنیا کو فائدہ ہو۔ اور ہم کو ثواب پہنچے۔

خطبہ جمعہ

فرمودہ ۴ دسمبر ۱۹۱۴ء

گورنمنٹ کی وفاداری میں آگے بڑھ جاؤ!

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔

نعمتوں کا ضائع کرنا آسان ہوتا ہے۔ مگر ان کا حاصل کرنا بہت مشکل کام ہے۔ آنکھ ہوتی ہے۔ انسان کے لئے کیسی مفید چیز ہے۔ جو کہ ایک منٹ میں نکال دی جا سکتی ہے۔ چھوٹی سی سوئی چبھو کر پھوڑی جا سکتی ہے لیکن پھر اگر ساری دنیا کے ڈاکٹر مل کر بھی اس کو بنانا چاہیں۔ تو نہیں بنا سکتے۔ اور اگر کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ بھی اپنی تمام بادشاہت دیدے۔ تو بھی ایک چھوٹی ہوئی آنکھ نہیں بن سکتی۔ اسی طرح خداتعالیٰ کی تمام نعمتوں کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی دیتا نہیں۔ اور نہ کوئی دے سکتا ہے۔ مگر باوجود اس کے بہت لوگ ان

نعمتوں کی قدر نہیں کرتے۔ جب تک کسی کی آنکھیں تندرست ہوتی ہیں۔ وہ معمولی بات سمجھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ سب لوگوں کی آنکھیں ہیں میری بھی ہیں۔ تو کیا ہوا۔ لیکن جب جاتی رہتی ہیں۔ تو رونے لگتا ہے۔ اسی طرح کان۔ ناک۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ ہیں۔ جن کے متعلق اس کو خیال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ کہ یہ بھی کوئی چیزیں ہیں لیکن جب یہ نہیں رہتے۔ تو پیٹنے لگتا ہے۔ انسان عمدہ سے عمدہ لطیف سے لطیف اور مزیدار سے مزیدار چیزیں کھاتا ہے لیکن وہ یہ نہیں سمجھتا۔ کہ زبان کا ذائقہ بھی اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ نعمت ہے۔ ہاں اگر بیماری کی وجہ سے زبان کا مزہ بگڑ جائے۔ تب اُسے پتہ لگتا ہے کہ واقعی یہ بھی کوئی چیز تھی۔ تو جب ایسے لوگوں کے پاس خدا تعالےٰ کی نعمتیں ہوتی ہیں۔ اس وقت قدر نہیں کرتے۔ اور جب وہ ان سے چھین لی جاتی ہیں۔ تب اُن کے حصول کے لئے کوششیں کرتے ہیں اس وقت جبکہ انہیں بلا محنت اور مشقت کے اور بلا کچھ خرچ کئے۔ مفت یہ چیزیں دستیاب ہوتی ہیں۔ معمولی باتیں سمجھتے ہیں۔ لیکن جب نہیں رہتیں۔ تو محنت اور مال خرچ کر کے ان کو پانے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔ تو نعمتوں کا حاصل کرنا مشکل بلکہ بعض کا تو ناممکن ہوتا ہے۔ اور جب وہ ایک دفعہ چھین لی جاتی ہیں۔ تو پھر نہیں دی جاتیں۔ ایمان اور قلب سلیم کا حصول بڑا مشکل اور بہت ہی مشکل کام ہے۔ اور سالہا سال کی کوششوں اور محنتوں کے بعد یہ بات نصیب ہوتی ہے۔ مگر ایک منٹ میں کفر کا کلمہ بولنے سے ساری عمر کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ اور پھر اُس کے حاصل کرنے کے لئے اتنی ہی کوشش اور محنت نہیں کرنی پڑتی جتنی کہ پہلے کی گئی تھی۔ بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ کرنی پڑتی ہے۔

اجتماع اتفاق اور اتحاد بھی خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ اسکو ضائع کر نیوالا تو آسانی سے کر دیتا ہے اور پھر چاہتا بھی ہے کہ دوبارہ ملے لیکن پھر یہ کہاں آسانی سے مل سکتی ہے۔ اسی لئے ہمارے لئے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے

إن الله يأمر بالعدل والاحسان و ايتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون ۔ اتفاق ۔ اتحاد اور امن کا حاصل ہونا بہت مشکل ہوتا ہے ۔ اور جب حاصل ہو جائے ۔ تو احسان اور عدل سے کام لینا چاہیئے ۔ اور بغی سے بچنا چاہیئے ۔ کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا ۔ کہ فساد پڑیگا لڑائی جھگڑے ہونگے ۔ اور اتفاق جاتا رہیگا ۔

کسی بزرگ نے مسلمانوں پر یہ بڑا احسان کیا ہے کہ اس نے اس آیت کو خطبہ جمعہ میں رکھ دیا ہے ۔ اور خدا تعالیٰ کو یہ بات ایسی پسند آئی ہے کہ اس کی قبولیت کو پھیلا دیا ہے ۔ اور یہ ہر جگہ پڑھی جاتی ہے اس آیت میں ایک لطیف اشارہ ہے ۔ اور وہ یہ کہ جمعہ پڑھنے کیلئے لوگوں کا آنا ایک اجتماع ہے اور لوگ اکٹھے ہوتے ہیں ۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ کہ جب تمہیں اجتماع اور اتفاق کی نعمت حاصل ہو جائے ۔ تو تمہیں ہر قسم کی بغاوت اور سرکشی سے بچنا چاہیئے ۔ تاکہ ایسا نہ ہو ۔ کہ تم میں پھوٹ پڑنا شروع ہو جائے ۔ اور تم کہیں کے کہیں جا پڑو ۔

خدا تعالیٰ کے نزدیک بغاوت اور سرکشی بہت ہی ناپسندیدہ چیز ہے ۔ اتحاد کو توڑ دینا امن عامہ میں خلل ڈالنا بہت ہی بری بات ہے ۔ یہ ہونا تو آسان ہے لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے ۔ اس کا پھر حاصل کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے ۔ پھر اگر ساری دنیا کا مال و دولت بھی خرچ کر دیا جائے ۔ تو بھی کچھ نہیں بنتا ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہوتا ہے کہ امن قائم ہوتا ہے ۔ ہمارے ہاں ہی دیکھو کیسا امن ہوتا تھا ۔ کیسا اتفاق تھا ۔ لیکن کسی کو ایک اعلان کی ایسی ضرورت پڑی کہ سارا امن اور سارا اتحاد اس نے قربان کر دیا ۔ اب اگر کوئی صلح کی آرزو کرے تو اسے کہاں میسر ہو سکتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ انعام دیا تھا ۔ اس وقت کیوں قدر نہ کی ۔ اور ایسی کون سی اعلان کی ضرورت پڑی تھی ۔ اب دیکھ لو ۔ خواہ کتنا ہی زور مارو لیکن وہ گند جو بعض کے سینوں سے نکلا ہے

وہ کبھی صحیح نہیں ہونے دیتا۔

اسی طرح خدا تعالیٰ نے دنیاوی رنگ میں ہمارے لئے گورنمنٹ قائم
کی ہے جس میں کیسا آرام ہے۔ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہم بلا کسی قسم
کے خوف کے جا سکتے ہیں۔ کیسے آرام اور امن سے عبادتیں کرتے ہیں اور
اگر کوئی ہمارے کاموں میں مخل ہوتا ہے۔ تو گورنمنٹ کے سپاہی اسکے روکنے
کے لئے تیار رہتے ہیں۔ آجکل بعض شریر الطبع اور خبیث الفطرت لوگ چاہتے
ہیں۔ کہ اس امن میں خلل ڈالیں۔ خدانخواستہ اگر وہ اپنے کاموں میں کامیاب
ہو گئے۔ تو پھر دکھ ہی دکھ ہوگا۔ تمہارا اس وقت جو کچھ فرض ہے۔ وہ میں بارہا
بتا چکا ہوں۔ کہ تم امن پسند زندگی بسر کرو۔ اور ان لوگوں سے جو شریر ہیں
علیحدہ رہو۔ اور ان کی اصلاح اور درستی کی فکر کرو۔ تم شائد یہ کہو کہ ہم ایسے
نہیں ہیں۔ یہ ٹھیک ہے۔ کہ تم ایسے نہیں ہو۔ لیکن اگر تمہارے ہمسائے ایسے
ہیں۔ تو تم کو بھی اس سے نقصان پہنچے گا۔ اگر کسی کے ہمسایہ کے گھر کو آگ لگے تو
وہ ضرور اس کے گھر تک بھی پہنچتی ہے۔ اگر کوئی شریر گورنمنٹ کے خلاف ڈاکے
مارے۔ تو گو تمہیں اس سے کوئی غرض اور تعلق نہیں ہے۔ لیکن وہی ڈاکو
ایک دن تم پر حملہ کرے گا۔ خواہ تم کتنے ہی امن پسند ہو۔ لیکن اگر بعض شریروں
کی شرارت سے ملک کا امن اٹھ جائے۔ تو تمہیں بھی بہت نقصان پہنچیگا۔ اس
لئے ملک میں امن قائم رکھنا تمہارا کام ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کی ہمیشہ یہی تعلیم رہی ہے۔ اور اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ آپ کے یہ
فقرے میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ کہ میں نے کوئی کتاب ایسی نہیں
لکھی۔ جس میں گورنمنٹ کی وفاداری کی تعلیم نہ دی ہو۔ میں نے اسی کے
قریب کتابیں لکھی ہیں۔ اور تمام میں کسی نہ کسی رنگ میں گورنمنٹ کی تابعداری بتائی
ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر لوگوں نے الزام لگایا۔ کہ یہ (نعوذ باللہ)
منافقت سے گورنمنٹ کی خوشامد کرتا ہے۔ لیکن ان احمقوں نے اتنا بھی نہ سمجھا۔ کہ آپ

کو گورنمنٹ کی خوشامد کی کیا ضرورت تھی۔ وہ انسان جس کو خدا تعالیٰ یہ کہے۔ کہ
تو میرا رسول اور نبی ہے۔ اس کے نزدیک دُنیا کی بادشاہت کیا حقیقت
رکھتی ہے۔ دُنیا کی حکومتیں آسمانی حکومت کے مقابلہ میں کچھ بھی وقعت
نہیں رکھتیں۔ میں تو کہتا ہوں۔ کہ تم میں کا ہر ایک احمدی اگر ان احسانات
کو سوچے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے واسطہ سے خدا تعالیٰ نے اس پر
کئے ہیں۔ تو اس کے نزدیک بھی کوئی چیز اس سے بڑھ کر قابلِ وقعت نہیں رہتی۔ تو
کسی کا یہ خیال کرنا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خوشامد سے گورنمنٹ کی وفاداری
کی تعلیم دی ہے۔ پرلے درجہ کی نادانی اور نالائقی ہے۔ آپ نے سچے دل سے
اور واقعات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ تعلیم دی ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ وہ وقتی تعلیم
تھی۔ تو وہ منافق ہے۔ وہ احمدی ہی نہیں ہے بھلا یہ کیونکر ممکن ہے۔ کہ ان
آنکھوں کے ہوتے ہوئے جنہوں نے مسیح موعود کو دیکھا اور ان کانوں کے ہوتے ہوئے
جنہوں نے آپکی باتوں کو سُنا۔ کوئی کہے کہ گورنمنٹ کی وفاداری نہیں کرنی چاہیئے تو
اُس کو احمدی سمجھا جائے۔ گورنمنٹ کی خوشامد کرنے کی ہمیں کوئی غرض نہیں ہے
کیونکہ چاہے ہم کہیں کہ گورنمنٹ کے وفادار ہیں۔ اور چاہے نہ کہیں مذہبی آزادی تو
ملی ہوئی ہے۔ اور باقی بھی ہر طرح کے آرام میسر ہیں۔ پھر گورنمنٹ کا کوئی بڑے سے بڑا
احسان ایسا نہیں ہے۔ جو [illegible] کی خدمت کرنیکی وجہ سے ہم پر ہوا ہے۔ کوئی
بڑے سے بڑا عہدہ کوئی بڑے سے بڑا خطاب ایسا نہیں ہے جو ہمارے لئے
مسیح موعود کے خادم ہونے سے بڑھ کر عزت کا باعث ہو سکے۔ پھر کونسی ایسی چیز
ہے۔ جو ہمیں خوشامد پر مائل کر سکتی ہے۔ نہیں کوئی بھی نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضرت مسیح موعود کا حکم ہے۔ کہ ہم گورنمنٹ کی وفاداری
کریں۔ اور امن قائم رکھنے کے لئے گورنمنٹ کا ہاتھ بٹائیں۔ اگر گورنمنٹ
ہماری باتوں کو خوشامدانہ رنگ میں سمجھے۔ تو یہ اُس کی غلطی ہے۔ اور اگر
کوئی سمجھتا ہے۔ تو اس کی بھی غلطی ہے۔ ہمارا یہ ایمان ہے۔ اور اسلام ہمیں یہی

سکھاتا ہے۔ کہ تم ایسا کرو۔ اس لئے ہم ایسا کرتے ہیں۔ اور ایک مسلمان اس وقت تک مسلمان ہی نہیں رہ سکتا۔ جب تک وہ بغاوت کے کاموں سے حتیٰ کہ بغاوت کی باتوں سے دور نہ رہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت ایسی ہی ہے۔ اور یہی میرا منشاء ہے۔ لیکن تم اوروں کو بھی ایسا ہی بنانے کی کوشش کرو۔ کیونکہ اگر ان کی وجہ سے امن میں خلل واقعہ ہوگا۔ تو تمہیں بھی ویسا ہی نقصان پہنچیگا۔ جیسا کہ اوروں کو پہنچے گا۔

کئی باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ کہ انسان منہ سے نکال دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اظہار رائے ہے۔ لیکن بعض ایسی باتیں نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں اس لئے تمہیں باتوں میں اور خیالات کے اظہار میں محتاط رہنا چاہیئے جس وقت کوئی شخص احمدی ہوتا ہے۔ تو اس کو اپنے تمام خیالات قربان کرنے ہوتے ہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے۔ کہ سوائے میری جماعت کے اور کوئی جماعت گورنمنٹ کی وفادار نہیں رہیگی۔ سو یاد رکھو کہ تمہارا کام با امن رہنا ہی نہیں۔ بلکہ ایسے خیالات اور باتیں جنکے اظہار سے گورنمنٹ کی کسی قسم کی سبکی ہوتی ہو۔ پرہیز کرنا بھی ہے۔ تم ایسی مجلسوں سے الگ رہو جن میں گورنمنٹ کے خلاف باتیں ہوتی ہیں۔ ۱۹۰۷ء میں جب آدیول میں شورش ہوئی۔ مجھے خوب یاد ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود کا چہرہ اخبار میں یہ خبر پڑھکر چمک اٹھا۔ اور آپ نے فرمایا۔ کہ ہماری پیشگوئی پوری ہو رہی ہے۔ کہ ان پر مصیبت آئی ہے۔ آج اگر حضرت مسیح موعود زندہ ہوتے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ ہر روز اشتہار شائع کرتے۔ اور گورنمنٹ کی وفاداری کو بار بار دہراتے مگر اس وقت حضرت مسیح موعود ہم میں موجود نہیں ہیں۔ لیکن آپ کا فیصلہ موجود ہے۔ اور اس فیصلہ کے ہوتے ہوئے اور کسی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ حکماً وعدلاً تھے۔ اس وقت تم اپنے عمل سے ثابت کر دکھاؤ کہ حضرت مسیح موعود نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ ٹھیک ہے۔

مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہوئی ہے۔ کہ باہر سے خط آئے ہیں کہ آپ اعلان
کیوں نہیں کرتے۔ مجھے معلوم ہے۔ کہ ہماری جماعت میں ایسے آدمی موجود ہیں
جو چاہتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود کی کوئی بات رہ نہ جائے۔ اور مجھے یقین ہے
کہ تمہارے سب کے یہی خیالات ہونگے۔ لیکن تم اپنے دلوں میں وہ نقشہ بناؤ۔ کہ اگر
حضرت مسیح موعود اس وقت ہوتے۔ تو آپ جماعت کو کس طرح گورنمنٹ
کی وفاداری سے آگاہ کرتے۔

اس وقت بعض شریر لوگ بعض واقعات کی وجہ سے ملک میں فساد ڈلوانے
میں لگے ہوئے ہیں۔ ہماری جماعت کے لوگوں کو چاہیئے۔ کہ ایسے آدمیوں کو
سمجھائیں۔ کہ تم اپنا ہی نقصان کر رہے ہو۔

تم گورنمنٹ کی وفاداری میں آگے بڑھ جاؤ۔ اس میں کوئی بھی شک نہیں
ہے۔ کہ جو امن ہمیں اس گورنمنٹ کی وجہ سے ملتا ہے۔ اور کسی جگہ نہیں ہے
اور اگر کسی میں ہوتا۔ تو حضرت مسیح موعودؑ وہاں پیدا ہوتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا
حضرت مسیح موعودؑ نے کہا ہے کہ اس گورنمنٹ کے بہترین ہونے کا یہی ثبوت ہے
کہ مجھے خدا تعالےٰ نے اسی میں پیدا کیا ہے۔ ورنہ اور جگہ پیدا کرتا۔ تاکہ اسلام آسانی
سے پھیل سکتا۔ اس گورنمنٹ سے امن میں خلل ڈالنا گویا اشاعت اسلام کے کام کو
روک دینا ہے۔ اب دیکھو کہاں تبلیغ ہو سکتی ہے۔ ہمارے مبلغ لکھتے ہیں۔ کہ
کس سے بات کی جائے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ آجکل جنگ کے سوا اور کچھ نہیں سوجھتا۔
میرا ارادہ تھا۔ کہ مختلف جگہوں میں اور مبلغ بھیجوں۔ اور اگر جنگ نہ ہوتی۔ تو کئی جگہ
حضرت مسیح موعود کا نام پہنچ جاتا۔ لیکن اب نہیں بھیجے جا سکتے تو جس قدر امن زیادہ
ہوگا۔ اسی قدر ہمارا سلسلہ ترقی کریگا۔ اس بات کو سمجھ کر ہر ایک احمدی کو چاہیئے
کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں امن قائم رکھنے کی باتیں سناتا رہے۔ اور اس بات کی ہرگز پرواہ
نہ کرے کہ کوئی اسے خوشامدی کہتا ہے۔ ہماری غرض خوشامد نہیں بلکہ حق کو پہنچانا
ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ گورنمنٹ کے ہم پر احسان ہیں۔ پھر ہم اس کی قدر کیوں نہ

کریں۔ کہ اگر کسی کو امن نہیں۔ تو وہ حکومت چھوڑ کر چلا جائے۔ قرآن شریف سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ بغاوت اور مخالفت کی اسلام نے کبھی اجازت نہیں دی۔
اللہ تعالےٰ تمہیں ان باتوں کے سمجھنے کی توفیق دے۔ اور تم دنیا کے امن سے فائدہ اٹھا کر حضرت مسیح موعودؑ کا نام پھیلانے کے قابل ہو سکو۔ اور اللہ تعالےٰ کا جاہ و جلال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت تمام دنیا میں پھیل جائے۔

خطبہ جمعہ

فرمودہ ۱۱ر دسمبر ۱۹۱۴ء

جو خزانہ تمہیں ملا ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ

دنیا میں دو قسم کے انسان ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنہیں محنت اور کوشش کے ساتھ سامان زندگی مہیا کرنے پڑتے ہیں۔ اور ایک وہ جنہیں مہیا کئے کرائے سامان مل جاتے ہیں۔ ہر ایک وہ انسان جس کے پاس بہت سی دولت اور مال ہو۔ بہرحال انہیں دو قسم کے لوگوں میں سے ایک قسم میں شامل ہوگا۔ یا وہ غریب ماں باپ کے گھر پیدا ہوا ہوگا۔ اور اس نے اپنی محنت اور کوشش سے دولت کمائی ہو گی۔ یا یہ کہ وہ دولت مند باپ کے گھر پیدا ہوا ہوگا۔ اور اس کو ورثہ اور ترکہ میں دولت ملی ہو گی۔ اور وہ بلا کسی قسم کی محنت اور کوشش کے اس دولت سے فائدہ اٹھا رہا ہوگا۔ اسی طرح جو غرباء ہیں۔ ان کی بھی دو ہی قسمیں ہیں یا تو وہ ایسے لوگ ہونگے جنکے ماں باپ غریب تھے اور اس غربت کی وجہ سے وہ غریب ہی رہے یا ایسے ہونگے جنکے ماں باپ تو بڑے دولتمند اور بڑے مالدار تھے مگر وہ

اپنی بیوقوفی اپنی نالائقی اور اپنی کوتہ اندیشی سے اسراف کرنے کیوجہ سے مفلس غریب اور نادار ہو گئے ہونگے۔ ان دو اقسام کے سوا تیسری اور کوئی قسم نہیں ہو سکتی۔ ان دونوں قسم کے لوگوں میں سے ایسے لوگ جو غریب والدین کے گھر پیدا ہوتے۔ اور انہوں نے دُنیا میں کوئی ایسا کام نہ کیا جس سے ان کی دولت، مال، عزت، آبرو بڑھتی۔ اور انہوں نے خدا تعالےٰ کے دیئے ہوئے قویٰ سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔ اچھے اور کسی تعریف کے قابل نہیں ہیں۔ مگر بہت ہی خراب ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے خدا تعالیٰ کی دی ہوئی دولت اور مال کو ضائع کر دیا۔ اور غریب اور کنگال ہو گئے۔

تمام دُنیا کے انسانوں کا مذہب میں بھی یہی حال ہے۔ ایک گروہ تو ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس کو صداقت ورثہ میں ملی ہوتی ہے۔ اور اس کو پیدا ہوتے ہی ماں باپ سے صداقت ملتی ہے۔ اور شروع سے اس کے کان خدا تعالےٰ کی تحمید اور تقدیس کو سُنتے ہیں۔ اس کی آنکھیں اپنے والدین کو خدا تعالےٰ کی عبادت کرتے دیکھتی ہیں۔ اس کا دل اپنے والدین کی دینداری سے متاثر ہوتا ہے۔ جیسے ایک سچے مسلمان کی اولاد۔ اور ایک گروہ وہ ہوتا ہے۔ جس کو پیدائش سے ورثہ میں صداقت تو نہیں ملی ہوتی۔ جیسے دیگر مذاہب والے لوگ مگر ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو کر خود صداقت حاصل کر لیتے ہیں اسی طرح گمراہ لوگوں کا حال ہے۔ یا تو وہ لوگ گمراہ ہوتے ہیں جنکو گمراہی ورثہ میں ملی ہوئی ہوتی ہے۔ یعنی وہ ایسے مذاہب اور قوموں میں پیدا ہوتے ہیں جن میں کوئی نور کوئی ہدایت نہیں ہوتی۔ جیسے اُن کے ماں باپ گمراہی میں پڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ ہوتے ہیں۔ یا وہ لوگ گمراہ ہوتے ہیں کہ ان کو صداقت تو ملی ہوتی ہے۔ لیکن باوجود صداقت کے ملنے کے اس سے فائدہ نہ اٹھانے کی وجہ سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے آجکل کے مسلمان بیشک وہ انسان قابلِ ملامت ہے۔ جس کے ماں باپ گمراہ تھے۔ اور وہ بھی گمراہی میں رہا۔ کیوں اس

نے ہمت اور کوشش سے کام لیکر ہدایت حاصل نہیں کی۔ جب خدا نے اس کو ایسا ہی دماغ دیا تھا۔ جیسا کہ وہ اپنے پیاروں کو دیتا ہے۔ ایسی ہی آنکھیں دی تھیں جیسی کہ وہ اپنے محبوبوں کو دیتا ہے۔ ایسے ہی کان دئے تھے جیسے کہ وہ اپنے محبوبوں کو دیتا ہے۔ اور ایسا ہی دل دیا تھا جیسا کہ وہ اپنے عزیزوں کو دیتا ہے۔ تو کیوں اُس نے ان سے فائدہ اٹھا کر ہدایت اختیار نہیں کی۔ لیکن بہت زیادہ ملامت اور نفرین کے قابل وہ انسان ہے۔ جسکو صداقت ملی۔ اور اُس نے اس کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کر لی۔ مسلمانوں کی حالت اسی طرح ہے۔ جس طرح کسی کو ورثہ میں دولت ملی ہو۔ اور وہ اس کو چھوڑ چھاڑ کر کنگال اور نادار ہو گیا ہو۔ ایسے شخص کو جس نے کہ ماں باپ کی دولت کو ضائع کر دیا ہو مسلمان بھی یہ کہتے ہیں۔ کہ بڑا نالائق اور بیوقوف ہے۔ اس نے ماں باپ کی دولت کو ضائع کر دیا ہے۔ اور مفلس اور نادار ہو گیا ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہمیں والدین سے ورثہ میں کیا ملا تھا۔ اور ہم نے اس کی کیا قدر کی ہے۔ ایک مسلمان پیدا ہوتے ہی سب سے پہلے توحید کی تعلیم اس کے کان میں ڈالی جاتی ہے اور وہ جوں جوں بڑا ہوتا اپنے والدین کو نماز پڑھتے روزہ رکھتے۔ بھلی باتیں کہتے دیکھتا۔ اور بڑا ہو کر قرآن شریف ایسی نعمت کو پاتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم کو دیکھتا ہے۔ اور ان باتوں کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مگر باوجود اس کے کہ یہ صحیح کی کرائی دولت اُس کو ملتی ہے۔ اور باوجود اس کے پکا پکایا کھانا اسکے سامنے رکھا ہوتا ہے مگر پھر بھی سوتے کا سوتا ہی ہوتا ہے۔ جو اسکی قدر کرتا ہے قرآن شریف مسلمانوں کے گھروں میں ہوتا ہے لیکن وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ان کے پاس موجود ہوتا ہے۔ لیکن انہیں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ اس سے مستفیض ہوں اور یہ اس احمق کی طرح ہیں جس کے گھر میں کھانا موجود ہو۔ اور وہ بھوکوں مر رہا ہو۔ اس سے زیادہ احمق کون ہے جسکے صحن میں کنواں ہو۔ اور وہ پیاسا جان توڑ رہا ہو۔ وہ شخص بھی ڈ...

میں ہے۔ جو جنگل میں پیاسا مر رہا ہو۔ مگر قابل ہزار ملامت وہ ہے جس کے
گھر میں کنواں ہو۔ اور وہ پانی نہ پیتا ہو۔ مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نے پانچ وقت دن میں نماز پڑھنی
سکھلائی۔ اور اس میں بڑی اعلیٰ درجہ کی دعائیں سکھائیں۔ خدا کے حضور گریہ کرنے کا
طریقہ بتایا۔ عدل یا خدا پر بھروسہ رکھنے کا طریق بتایا۔ برائیوں سے بچنے کے ہر قسم کے رستے اور سیدھا راستہ
اختیار کرنے کیلئے صاف اور کھلی کھلی تعلیم دی۔ مگر باوجود ان باتوں کے گمراہی میں پڑے رہنا بدبختی
کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے۔ انکے گھر میں کنواں ہے مگر یہ اس سے اپنی پیاس کو نہیں
بجھاتے۔ انکے گھر میں روٹی ہے۔ مگر یہ اسے کھا کر بھوک نہیں دور کرتے ان کو
ماں باپ سے دولت ورثہ میں ملی تھی۔ لیکن انہوں نے اس کی کچھ قدر نہ کی۔ یہی
قرآن تھا۔ جس نے اہل عرب کے بدترین لوگوں کو ایسا بنا دیا۔ کہ آج دنیا
ان کے نمونہ کو اپنا راہ نما بنا رہی ہے۔ اور انہوں نے بڑی محنتوں اور
کوششوں سے سب کچھ حاصل کیا تھا۔ لیکن آج مسلمانوں کو کوئی محنت اور
مشقت نہیں کرنی پڑتی۔ تاہم ہر ایک زندگی کے شعبہ میں کمزور اور ذلیل ہیں۔
احمدی جماعت میں سے اگر کوئی شخص ایسا ہو۔ تو اس کیلئے تو بہت ہی زیادہ افسوس کا مقام
ہے۔ کیونکہ اس کیلئے صرف اسلام کی تعلیم ہی نہیں ہے بلکہ اس نے تو اس تعلیم سے جو ثمرات
حاصل ہوتے ہیں۔ وہ بھی دیکھ لئے ہیں۔ ہم احمدیوں کو کسی نئی محنت اور کوشش کی ضرورت نہیں ہے
ایک عیسائی جو عیسائی ماں باپ کے گھر میں پیدا ہو۔ اس کیلئے ایک ہندو جو ہندو ماں
باپ کے گھر پیدا ہو۔ اس کیلئے اور اسی طرح دوسرے لوگوں کیلئے حق اور صداقت
کا اختیار کرنا بڑا مشکل ہے۔ اور انہیں اپنے عزیزوں رشتہ داروں بیوی بچوں
دوستوں۔ دولت۔ مال جائداد کو چھوڑنا پڑتا ہے پھر مختلف رسومات عقائد اور خیالات
کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر پھر وہ خود بخود غور و خوض اور تحقیق کر کے حق مذہب کو اختیار
کرنا چاہے تو اس کیلئے ہزاروں سال درکار ہیں لیکن بتاؤ مسلمانوں کو اسلام کیلئے کیا
چھوڑنا پڑتا ہے۔ قرآن پر عمل کرنے سے دوست آشنا۔ بیوی بچے مال و دولت
کچھ بھی نہیں چھوڑنا پڑتا۔ تو پھر اگر کوئی ایسا شخص ہو۔ جو اسلام کے احکام

پر چلے۔ تو اس پر کتنا افسوس ہے۔ اسلام کے احکام پر عمل کرنے سے کوئی مصیبت اور تکلیف نہیں ہوتی۔ صرف ہمت اور ارادہ اور اخلاص کی ضرورت ہی اور ہم احمدیوں کے لیئے تو خدا تعالےٰ نے اپنے فضل سے بہت ہی آسان کر دیا ہے۔ اس لئے ذرا بھی کوتاہی نہیں ہونی چاہیئے۔

تم خوب یاد رکھو کہ قرآن شریف سے بہتر دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے اور اسی میں تمام دنیا کے خزانے ہیں۔ یہی وہ چیز تھی جسکو صحابہ لیکر کھڑے ہوئے تو تمام دنیا نے ان کے آگے سر جھکا دیا۔ اگر تم بھی اسی کو لیکر نکلو۔ تو کسی کی طاقت نہیں۔ کہ تمہارے آگے ٹھہر سکے۔ کہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کے پاس دولت اور مال نہیں۔ اسلئے مفلس اور کنگال ہیں۔ لیکن انہوں نے سونا چاندی کو دولت سمجھا ہوا ہے۔ اصل دولت صداقت اور راستی ہے۔ یہ جسکے پاس اور جس گھر میں ہے۔ اسکو کسی اور چیز کی پرواہ نہیں اور جو یہ دولت رکھتا ہو۔ اسکے سامنے دنیا کے سب خزانے ہیچ ہیں۔ اور دنیا سے لوگ ایسے لوگوں کے پاس دعا کرانے کیلئے دوڑے آتے ہیں۔ تو تمہارے گھروں میں وہ مال ہے۔ جو تمام دنیا کے وہم وگمان میں بھی نہیں۔ آج یورپ کہتا ہے۔ کہ مسلمان غریب اور مال و دولت سے تہی دست اور ہر ایک علم میں کمزور ہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں۔ کہ یورپ کا تمام مال و دولت اور ایجادیں قرآن شریف کے ایک ایک شوشہ کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے۔ کہ مسلمان مال نہ ہونے کی وجہ سے ذلیل ہیں۔ تو یہ غلط ہے۔ ہمارے پاس ایسا مال ہے۔ جو کہ خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ اور ان کا مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے۔ گویا ہمارے پاس ایک چشمہ ہے۔ جتنا اس سے پانی نکالا جائے۔ اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے۔ تو ایک سچے مسلمان کے لیئے یاس اور حسرت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ خدا نے اسے وہ کچھ دیا ہے۔ جو اور کسی کے پاس نہیں ہے۔ مگر قدر کرنے والے ہی اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو توفیق دے۔ تاکہ اس خزانہ سے آپ فائدہ اُٹھا سکیں جو خدا تعالےٰ نے اپنے فضل اور کرم سے تمہیں دیا ہے۔ اور تمہارے بزرگوں

نے بڑی محنت اور کوشش سے جو کچھ ہمارے لئے مہیا کیا ہے۔ اس سے خود بھی فائدہ اٹھائیں۔ اور اوروں تک بھی اس کو پہنچائیں ؁

خطبہ جمعہ

ہنسی اور تمسخر کو بکلی چھوڑ دو صداقت اور سنجیدگی میں ترقی کرو

فرمودہ ۱۸ دسمبر ۱۹۱۷ء

یاایھا الذین امنوا لایسخر قوم من قوم عسٰی ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسٰی ان یکن خیرا منھن۔

اس زمانہ میں سنجیدگی اور صداقت بہت کم ہوگئی ہے۔ اور یہی وہ دو چیزیں ہیں۔ جن پر انسانی ترقی کی پہلی اینٹ رکھی جاتی ہے۔ گویا روحانی ترقی کے لئے یہ بنیادیں ہیں۔ مگر افسوس کہ یہی دونوں چیزیں اس وقت دنیا سے مفقود ہو رہی ہیں۔ اور جب بنیاد ہی نہ ہوگی۔ تو عمارت کہاں تیار ہوسکیگی ؁

ہنسی۔ تمسخر اور ٹھٹھے کی ابتداء ہمیشہ تکبر سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ان کا انجام بھی ہمیشہ منافقت اور تکبر ہی ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں جہاں خدا تعالےٰ نے لوگوں کے فتنہ اور فساد کے مٹانے کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ کسی سے ہنسی اور تمسخر نہ کرو۔ کیونکہ اس سے انسان صرف اوروں کو ہی نقصان نہیں پہنچاتا۔ بلکہ اس میں بھی تکبر اور نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں تمسخر اور ہنسی کا لازمی نتیجہ ہیں۔ جو کہ انسان کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہیں۔ دو وجہ سے انسان اسی وقت تمسخر کرتا ہے۔ جبکہ اسے حقیر اور اپنے سے کم درجہ پر سمجھتا ہے۔ ورنہ کوئی انسان یہ جرأت کبھی نہیں کرسکتا۔

کہ اپنے سے معزز انسان کو بھی مخول کرتا ہے۔ اس لئے جب کوئی مخول کریگا۔ تو اسی سے کریگا جس کو وہ اپنے سے کمتر سمجھے گا۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ جس سے کوئی تمسخر کرتا ہے۔ اس کو اپنے سے چھوٹا سمجھتا ہے۔ اور یہ اس کے تکبر اور خود پسندی کی علامت ہے۔ یا وہ انسان کسی سے تمسخر کرتا ہے۔ جو صاف اور سیدھی بات کرنے کی جرأت نہیں رکھتا۔ جس کا انجام نفاق ہوتا ہے لوگوں میں ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی ہنسی اور مخول کی عادت پھیلتی جاتی ہے۔ لیکن جو انسان اس عادت بد کو نہیں چھوڑتا۔ اُسے بہت بڑا خمیازہ اُٹھانا پڑتا ہے۔ جو انسان تمسخر کرتا ہے۔ گو ابتداء میں اس میں تکبر اور بڑائی نہ بھی ہو تو ہوتے ہوتے وہ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگ جاتا ہے۔ یا اس میں سے حق گوئی کی جرأت ماری جاتی ہے۔ اور اس میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ تم کیوں کسی سے ہنسی اور مخول کرتے ہو۔ تمہیں کیا معلوم ہے کہ خدا کے نزدیک کون بڑا اور کون چھوٹا ہے۔ درحقیقت بڑا تو وہی ہے۔ جو اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔ اور چھوٹا وہی ہے۔ جو اللہ کے حضور چھوٹا ہے۔ اگر کوئی انسان عمدہ کھانا کھا رہا ہو۔ اور اس نے بہت اعلیٰ پوشاک پہنی ہوئی ہو۔ بڑا خوبصورت ہو لیکن اللہ تعالےٰ کے نزدیک وہ ذلیل ہو۔ تو وہ ذلیل ہی ہوگا اور خواہ کوئی ساری دُنیا کا بادشاہ بھی ہو۔ تو بھی وہ معزز نہیں ہو سکتا۔ وہ انسان جس کے سر پہ تلوار لٹک رہی ہو۔ کیا اس کو کوئی عیش و آرام بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی ساری دنیا پر بھی حکومت کرتا ہو۔ لیکن اسے یہ خیال ہو۔ کہ مرنے کے بعد مجھ سے بدترین معاملہ کیا جائیگا۔ اور مجھے ایک ایسے دربار میں ذلیل اور رسوا کیا جائے گا۔ جہاں میرے باپ دادا اور بیٹے بیٹیاں سب رشتہ دار موجود ہونگے اور میرے اس ناز و نعمت کے پلے ہوئے جسم کو آگ میں ڈالا جائیگا تو ایسے شخص کی زندگی کہاں سکھ اور آرام کی زندگی ہو سکتی ہے۔ ایک شخص جس کو صلیب پہ لٹکایا جاتا ہو۔ اس کو اگر عمدہ عمدہ کھانا لا کر دیا جائے۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ

پوشاک پہنائی جائے۔ تو اسے کہاں مزا آسکتا ہے۔ کیونکہ وہ تو جانتا ہے۔
کہ یہ کھانا ابھی مجھے ہضم نہیں ہونے پائیگا۔ کہ میری جان نکل جائے گی۔ اور
یہ کپڑے ابھی میلے بھی نہ ہوسکیں گے۔ کہ میری روح جسم سے جدا ہوجائیگی
اسی طرح وہ انسان جس کی زندگی بدکاری میں گذرتی ہے۔ اور وہ جانتا ہے
کہ مجھے مرنے کے بعد سخت سزا ملیگی۔ اس کی بھی ایسی ہی زندگی ہے۔
جس کے سر پر تلوار کھنچی ہوئی ہو۔ اور وہ خوراک کھا رہا ہو۔ اور پوشاک پہن
رہا ہو۔ اسے دیکھنے والا تو یہی سمجھیگا۔ کہ وہ کھانا کھا رہا ہے۔ اور اچھے کپڑے پہنے
ہوئے ہے۔ لیکن اُس آدمی سے پوچھنا چاہیئے۔ کہ اس کی کیا حالت ہے۔ بس بڑائی
اُسی کی ہے۔ جسکو خدا بنا لے دے۔ خود اپنے منہ سے کوئی بڑا نہیں بن سکتا۔ تم
اپنے اندر تبدیلی پیدا کر لو۔ اور صداقت اور سنجیدگی میں ترقی کرو۔ تمسخر اور ہنسی

کو چھوڑ دو۔ ایک مذاح ہوتا ہے (جس سے بگڑ کر مذاق بنگیا) وہ الگ بات ہے۔ اسمیں اور
تمسخر میں بہت بڑا فرق ہے۔ تمسخر دوسرے کو ذلیل سمجھ کر اور اسے ذلیل کرنے کیلئے کیا
جاتا ہے۔ لیکن مذاح میں کسی کی حقارت اور اس کا ازالہ نہ تا کہ نامد نظر نہیں ہوتا انسان
کی طبیعت میں ہنسی اور رونا دونوں باتیں رکھی گئی ہیں کبھی انسان ہنستا ہے اور کبھی
روتا ہے۔ مذاح بھی ہنسی کا ایک طریق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہنسی تو
ہم بھی کر لیتے ہیں۔ مگر اسمیں جھوٹ نہیں ہوتا۔ ایک دفعہ آپ بیٹھے ہوئے تھے آپ کے
پاس ایک بڑھیا آئی۔ اس نے کہا۔ کہ یا رسول اللہ میں کیا جنت میں جاؤنگی۔ آپ نے فرمایا
بڑھیا تو کوئی جنت میں نہیں جائیگی۔ وہ یہ سنکر رو پڑی۔ آپ نے فرمایا کہ میرا یہ مطلب نہیں
تھا۔ کہ دنیا میں جو بوڑھے ہیں۔ وہ جنت میں نہیں جائینگے۔ بلکہ یہ تھا کہ جنت میں سارے
جوان ہوکر جائینگے۔ ایک دفعہ آپ کھجوریں کھا رہے تھے۔ اور صحابہ بھی ساتھ ہی بیٹھے
ہوئے تھے۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ گٹھلیاں (حضرت) علیؓ کے آگے رکھتے جاؤ۔ جب کھا چکے
تو آپ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ تمہارے آگے سب سے زیادہ گٹھلیاں ہیں۔ کیا تم نے سب سے زیادہ
کھجوریں کھائی ہیں۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ کہ میں گٹھلیاں پھینکتا گیا ہوں۔
اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ جن کے آگے گٹھلیاں نہیں۔ وہ ان کو بھی کھا گئے ہیں

ایک دفعہ ایک صحابی کھڑا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے آکر اس کی آنکھیں بند کر لیں۔ اس صحابی نے اپنے ہاتھ سے آپ کے نرم اور ملائم ہاتھوں کو پہچان لیا۔ اور وہ آپ کے کپڑوں سے اپنے کپڑوں کو ملنے لگ گیا۔ آپ نے سمجھ لیا۔ کہ اس نے پہچان لیا ہے۔ فرمایا کہ کیا کوئی اس کو مول لیتا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے کون مول لے سکتا ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا۔ نہیں خدا اور رسول کے نزدیک تمہاری بے شمار قدر اور قیمت ہے۔ تو ایک نبیؐ اپنی اُمت کے لوگوں میں ایک خلیفہ اپنی جماعت سے ایسی باتیں کر سکتا ہے۔ اور کرتے ہوئے شرماتا نہیں۔ مگر ساتھ ہی اللہ تعالےٰ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ لا یسخر قوم من قوم کہ تمسخر نہیں کرنا چاہیئے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مذاح اور ہے اور تمسخر اور۔ کیونکہ اگر ایک ہی ہوتا۔ تو صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ سکتے تھے کہ آپ تو خدا تعالیٰ کا ہمیں حکم سناتے ہیں۔ اور پھر آپ کس طرح ایسا کرتے ہیں۔ تو آج بھی خدا تعالےٰ کا یہ حکم ویسی ہی قدر و منزلت رکھتا ہے۔ تمسخر میں کسی کی حقارت اشارتاً یا کنایتاً مدنظر ہوتی ہے جو کہ مومن کی شان سے بعید ہے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ پھر ہمارے لئے تو بہت ہی خوف اور ہراس کے دن ہیں۔ ہم کس طرح ہنسی اور مخول سوجھ سکتے ہیں۔ جو مصیبت کے دن اس وقت اسلام پر آئے ہوئے ہیں ان سے بڑھ کر اور کون سے دن آئینگے۔ کہ اسوقت بھی کوئی تمسخر کیطرف متوجہ ہو۔ ایسی حالت میں ان باتوں کیطرف متوجہ ہونا سنگدلی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ آج کل چونکہ ساری دنیا میں مخول اور ہنسی کا رواج ہو گیا ہے۔ اور بہت زوروں پر ہے۔ اس لئے بعض مومن بھی ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ لیکن ہر ایک مومن کو چاہیئے۔ کہ جس قدر بھی جلدی ہو سکے۔ اس کو ترک کر دے ممکن ہے۔ کہ ایک انسان کے کپڑوں پر ایسی جگہ گذرتے ہوئے جہاں اوپر سے کیچڑ پھینکا جا رہا ہو کچھ چھینٹے پڑ جائیں۔ لیکن تم کیا جانتے ہو کہ اس

وقت وہ سیاہ کرتا ہے۔ وہ فوراً اپنے کپڑوں کو دھو ڈالتا ہے۔ اسی طرح مومن کو چاہیئے۔ کہ اس پر ہنسی اور ٹھٹھے کی گندگی کے کچھ چھینٹے اُڑ کر پڑ گئے ہوں۔ تو وہ بہت جلدی ان کو دُور کر دے۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک و صاف کرے۔

پس تم اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔ ہنسی اور تمسخر کو بالکل چھوڑ دو۔ یہ بہت غم اور رنج کا وقت ہے۔ اپنے اعمال میں تبدیلی کر لو۔ کیونکہ یہ تکلیفوں کے دن ہیں۔ انشاء اللہ تم پر خوشی کی حالتیں بھی آجائیں گی۔ مگر تمسخر اس وقت بھی نہیں کرنا ہوگا۔ تم اپنے اندر تبدیلی پیدا کر کے آنے والے انعامات کا اپنے آپ کو مستحق بناؤ۔ خدا تعالیٰ تم سب کو توفیق دے۔ کہ تم کسی بھائی کی تحقیر نہ کرو۔ خواہ تمہیں اس میں کیسے ہی نقص نظر آتے ہوں۔ خدا تعالیٰ اپنے احکام کی تعمیل کرنے کی ہمیں توفیق دے اور ہم اپنے مرنے سے پہلے پہلے اسلام کی ایسی حالت دیکھ لیں کہ ہماری موت خوشی کی موت ہو۔

خطبہ جمعہ

فرمودہ ۲۵ دسمبر ۱۹۱۴ء

جلسہ سالانہ پر آنے والے دوستوں کو نصائح

بایام جلسہ سالانہ

الحج اشھر معلومات فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج وما تفعلوا من خیر یعلمہ اللہ وتزودوا فان خیر الزاد التقوٰی واتقون یا اولی الالباب (سورۃ بقرہ رکوع ۲۵)

پیشتر اس کے کہ میں اس آیت کے متعلق جو میں نے ابھی پڑھی ہے آپ لوگوں کے سامنے کچھ بیان کروں۔ ایک اور بات بیان کرنا ضروری سمجھتا

ہوں۔ تھوڑے ہی دن ہوئے۔ کہ لاہور سے ایک شخص آیا۔ اور اس نے مجھ سے ایک بات کا ذکر کیا۔ جس سے مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ میں عام طور پر لوگوں کی ایسی باتوں پر توجہ کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ اور لوگ بہت سی اس قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ مجھے ان کا کبھی ذرا بھی خیال نہیں آیا۔ لیکن اس بات کا مجھ پر اثر ہوا۔ اس لئے نہیں کہ وہ میری اپنی ذات کے متعلق تھی۔ بلکہ اس لئے کہ جماعت کو اس ابتلاء سے بچانا چاہیئے۔ تا ایسا نہ ہو۔ کہ یہ ابتلا بڑھتا بڑھتا بہت پھیل جائے۔ اس شخص نے بیان کیا۔ کہ مجھ سے ایک بڑے شخص نے تمسخر سے پوچھا۔ کہ چوہدری فتح محمدؐ ولایت میں کیا کام کرتے ہیں۔ اس سے اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ تمہاری تعلیم کے مطابق کہ دنیا میں احمدیت پھیلائی جائے۔ وہ کوشش کر رہا ہے۔ اس کو کیا کامیابی ہوئی ہے اگر تمہارے طریق سے کامیابی ہوتی تو چوہدری صاحب اس وقت تک ایک دو انگریزوں کو ہی مسلمان کرتے۔ ایک اور شخص نے اسی مجلس میں سے کہا۔ کہ میں نے چوہدری فتح محمدؐ کا خط چھپا ہوا دیکھا ہے۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ جنگ ہو رہی ہے۔ جس سے اس کی مراد یہ تھی۔ کہ چوہدری صاحب ولایت میں کچھ نہیں کر رہے۔ یونہی لغو کوشش کر رہے ہیں۔ بھلا اس طرح کامیابی ہو سکتی ہے۔ یہ باتیں سن کر میرے دل میں درد پیدا ہوا۔ میں نے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی۔ کہ الٰہی اگر یہ سچ ہے۔ کہ تو نے دنیا کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے مسیح موعودؑ کو بھیجا۔ اگر یہ درست ہے۔ کہ مسیح موعودؑ تیری طرف سے مامور ہو کر آیا تھا۔ اگر یہ سچ ہے۔ کہ دنیا سے اسلام اٹھ چکا تھا۔ اور مسیح موعودؑ کو تو نے اسلام کے پھیلانے کے لئے بھیجا تھا۔ تو دنیا میں اس کا نام لے کر۔ اور اس کا ذکر خیر کر کے ہمیں برکت ہونی چاہیئے۔ نہ یہ کہ ہم ترقی نہ کر سکیں۔ اور اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوں۔ اے میرے مولا! تو نے اپنے مسیح کو ہم میں رحمت کے طور پر بھیجا تھا یا عذاب کے طور پر۔ اگر

وہ عذاب کے طور پر آیا تھا۔ تو ہمارے لئے ضروری ہے۔ کہ اس کو چھپائیں اور اس کی باتوں کو پوشیدہ رکھیں۔ تاکہ مغضوب قوم نہ کہلائیں۔ لیکن اگر وہ فضل اور رحمت تھا۔ دنیا کی بدیوں کو دور کرنے اور اصلاح خلق کے لئے اور دنیا سے فسق و فجور دور کر کے امن و امان قائم کرنے کیلئے آیا تھا۔ تو اسی کے ذریعہ دین اسلام کی ترقی ہونی چاہیئے۔ مگر کچھ لوگ کہتے ہیں۔ کہ یہ خیال غلط ہے۔ مسیح موعودؑ کو دنیا نہیں مان سکتی۔ کہنے والے نے تو یہاں تک بھی کہہ دیا۔ کہ مسیح موعودؑ کا ذکر سم قاتل ہے۔

الٰہی بشارت

اس بات کو کوئی بیس دن گذرے ہیں۔ میں نے متواتر ہر روز دعا کرنی شروع کی۔ کہ الٰہی! میں نے اپنے ہی فائدہ کے لئے نہیں۔ بلکہ تمام دنیا کے فائدہ کے لئے یہ چاہتا ہوں۔ کہ تو اس بات کو ثابت کر دے۔ کہ جس نبی کو تو نے ہم میں بھیجا۔ وہ رحمت اور فضل ہے۔ اس کے لئے کوئی سامان کر کے کوئی ایسا نظارہ دکھلا دیجئے۔ کہ ہر ایک اس کو دیکھ لے۔ اور اسے معلوم ہو جائے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر کر کے کامیابی ہو سکتی ہے۔ گذشتہ ہفتوں میں جو ولایتی ڈاک آئی۔ اس کو میں نے اس خیال سے پڑھا۔ کہ خدا تعالےٰ کوئی خوش کن خبر پہنچائے گا۔ اس گذشتہ ہفتہ بھی میں نے اسی شوق سے خطوط کو پڑھا۔ لیکن کوئی خط نہ تھا تاہم مجھے خیال تھا کہ ایک منگل (اس دن قادیان میں آج کل ولایت کی ڈاک آتی ہے) جلسہ کے ایام میں بھی آتا ہے۔ خدا تعالےٰ اسی میں کوئی صورت نکالے گا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ منگل وار آئے آج چودھری فتح محمدؐ صاحب کا تار آیا ہے۔ کہ:۔

Corio be come Ahmadi Muslim

یعنی مسٹر کوریو احمدی مسلمان ہو گئے ہیں۔ تو خدا تعالےٰ نے میری اس دعا کو قبول کیا۔ اگر ساری دنیا بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نہ مانے۔

تو ہمیں کیا پرواہ ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس حق ہے۔ اگر دنیا اس کو قبول کرے گی۔ تو اس کا بھلا ہوگا۔ اور اگر قبول نہیں کریگی۔ تو تباہ و برباد ہوگی۔ ہمیں اُس کے نہ قبول کرنے سے کوئی بھی نقصان نہیں۔ کیا دُنیا کے تمام لوگوں کے قرآن شریف کو قبول نہ کرنے سے اس کی قدر اور منزلت ہو سکتی ہے ہرگز نہیں قرآن اپنے اندر حق رکھتا ہے۔ اسلام اپنے اندر صداقت اور خوبی رکھتا ہے۔ اگر ساری دُنیا اس کی تعریف کرنے لگ جائے۔ تو اس میں کچھ بڑھ نہیں جاتا۔ اور اگر ساری دُنیا اس کو چھوڑ دے۔ تو اس میں سے کچھ گھٹ نہیں جاتا۔ لیکن ہماری ترقی کی کوششوں میں یہ ایک روک تھی کہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لے کر ولایت میں تبلیغ کرنے میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالےٰ کے فضل سے وہ بھی مٹ گئی۔

اصل تقریر

اس کے بعد میں اس آیت کے متعلق جو میں نے پہلے پڑھی ہے۔ بیان کرتا ہوں۔

میری تقریر اگر اللہ تعالےٰ نے توفیق دی۔ زندگی رہی۔ اور ہر طرح کے سامان خدا تعالےٰ نے مہیا کئے تو ۲۷-۲۸ تاریخ کو ہوگی۔ میری طبیعت بیمار ہے۔ دیکھئے اس وقت بھی کھانسی ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ پچھلے دنوں مجھے ریزش ہوگئی۔ چونکہ جلسہ قریب ہی آنے والا تھا۔ اس لئے میں نے درس بند کر دیا۔ تاکہ حلق صاف ہو جائے۔ مگر شائد اللہ تعالےٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ درس بند رہتا۔ تو وہ آپ ہی کوئی انتظام حلق کے صاف ہونے کے لئے کر دیا۔ لیکن ایسی قدرت آہی ہوئی۔ کہ درس بند کئے ابھی دو دن ہی ہوئے تھے۔ دو عیسائی یہاں آئے۔ اور انہوں نے کہا۔ کہ ہم اسلام کے متعلق دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اور بڑا وقت اس کام کے لئے آپ سے لینگے۔ یہ خدا تعالےٰ کی حکمت ہی تھی تین دن ان سے گفتگو ہوتی رہی۔ اس کی وجہ سے کھانسی ہوگئی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کو

ہی معلوم ہے۔ کہ ۲۷ - ۲۸ کو مجھے تقریر کرنے کا موقع ملیگا یا نہیں۔ اللہ خوب جانتا ہے۔ مگر آج ایک اور ضروری بات ہے۔ وہ بیان کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔

دنیا میں انسان جو کام کرنے لگتا ہے۔ اسی قسم کی دوسری مثالوں کو دیکھکر ان سے نتائج اخذ کرلیتا ہے۔ مثلاً نئی کمیٹی بنانے والے دوسری کمیٹیوں کے قواعد و ضوابط منگوا کر دیکھتے ہیں۔ ان سے انہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ پریذیڈنٹ ہوتا ہے۔ وہ بھی کہتے ہیں۔ کہ ہاں ہماری انجمن کا بھی پریذیڈنٹ ہونا چاہیئے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ایک سیکرٹری ہوتا ہے۔ وہ سیکرٹری بنا لیتے ہیں وہ دیکھتے کہ ایک محاسب ہوتا ہے۔ وہ بھی محاسب بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ تجارتی کمیٹی جو نئی بنتی ہے۔ وہ دوسری تجارتی کمیٹیوں کے قواعد و ضوابط منگواتی ہے تعلیمی کمیٹی بنانے والے اور ایسی ہی کمیٹیوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تو ہر ایک قسم کی کمیٹی کے بنانے والے اپنے سے پہلی نظیروں سے فائدہ اٹھاکر ان کے قواعد پر عمل کرتے ہیں۔ اور ایسا ہی ان کو کرنا بھی چاہیئے۔ کیونکہ بڑا بیوقوف ہے۔ وہ انسان جو تجربہ شدہ بات کو چھوڑ کر خود تجربہ کرنا شروع کر دے۔ اور اگر وہ اس طرح کرنے لگے۔ تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ اتنی تو کسی کی عمر ہی نہیں ہو سکتی کہ وہ سارے تجربے خود کر سکے وہ اسی کوشش اور سعی میں ہی وفات پا جائے گا۔ تو تجربہ شدہ باتوں سے فائدہ اٹھانا عقلمندوں کا کام ہے +

سالانہ جلسہ کی اہمیت

ہمارے لئے بھی جلسہ ہر سال آنے والی چیز ہے۔ جس طرح وہ کمپنیاں دوسری اپنی ایسی کمپنیوں کے قواعد سے نتیجہ اخذ کرتی ہیں۔ اسی طرح ہمیں بھی چاہیئے۔ کہ اس جلسہ کے رنگ کی کسی چیز سے نتائج اخذ کرکے فائدہ اٹھاویں۔ ہم اپنے جلسہ کو کسی کمیٹی یا جلسہ سے کسی طرح بھی مشابہت نہیں دے سکتے۔ انجمنیں

اور کمیٹیاں تو دنیا میں بہت ہیں۔ مگر ان سے ہمارے جلسہ کو اسلئے مشابہت نہیں ہے کہ وہ انسانوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ مگر ہم جس کام کی نظیر چاہتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ اور اسی کا قائم کردہ ہے۔ لوگ کئی جگہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ میلے لگتے ہیں۔ جلسے ہوتے ہیں۔ لیکن ہم کسی میلے کے لئے اکٹھے نہیں ہوتے ہماری غرض تماشہ دیکھنا نہیں ہوتی۔ دنیا میں لوگ تماشوں کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے سامان لاتے ہیں۔ خرید و فروخت ہوتی ہے۔ ہم اس کے لئے بھی جمع نہیں ہوتے۔ اب ہم جو قواعد بنائیں۔ تو کس طرح بنائیں اور کس چیز سے اپنے اجتماع کو مشابہت دیں۔ اس کے لئے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک چیز دنیا میں ایسی ہے۔ جس سے ہمارے جلسہ کو مشابہت ہو سکتی ہے اور وہ حج ہے۔ حج کوئی میلہ نہیں نمائش نہیں۔ کسی انجمن کا جلسہ نہیں۔ وہ خدا کا کام ہے۔ اور دین کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ خدا کے نبیوں کے ذریعہ قائم ہوا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے۔ کہ حج کے لئے جو قواعد اور ضوابط ہیں ان سے فائدہ اٹھائیں یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے۔ اس میں حج کے متعلق احکام ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ حج کچھ معلوم مہینے ہیں۔ (محرم۔ ذی القعدہ۔ رجب۔ ذی الحج۔ سارا مہینہ یا دس دن) پس جو کوئی ان میں حج کا قصد کرے۔ اس کو کیا کرنا چاہیئے وہ یہ کرے۔ کہ حج میں رفث۔ فسوق اور جدال نہ کرے۔ یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ ہر وہ شخص جو حج کے لئے جاتا ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ حج میں رفث۔ فسوق اور جدال نہ کرے۔ رفث کیا ہے؟ جماع کو کہتے ہیں۔ یہ بھی حج میں منع ہے۔ لیکن اس کے معنی اور بھی ہیں۔ جو یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ بدکلامی۔ گالیاں دینا۔ گندی باتیں بیان کرنا۔ گندے قصے سنانا۔ لغو اور بے ہودہ باتیں کرنا جسے پنجابی میں گپیں مارنا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر کوئی حج کو جاتا ہے تو اسے کسی قسم کی بدکلامی نہیں کرنی چاہیئے۔ گندے قصے نہ بیان کرنے چاہئیں

گپیں نہ ہانکنی چاہئیں۔ فسوق کے معنی ہیں۔ اطاعت اور فرمانبرداری سے باہر
نکل جانا۔ تو حاجیوں کا فرض ہے۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری سے باہر نہ نکلیں۔
اور تمام احکام کو بجالائیں پھر جہاں لوگوں کا مجمع ہوتا ہے۔ وہاں لڑائیاں بھی ہوا کرتی
ہیں۔ کیونکہ لوگوں کی مختلف طبائع ہوتی ہیں۔ اور بعض تو ضدی واقعہ ہوتی ہیں۔
اسلئے ان میں ذرا ذرا سی بات پر لڑائی ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہی کہ اس نے میری جگہ
لے لی۔ مجھے دھکا دیدیا۔ وغیرہ وغیرہ اسلئے فرمایا کہ لڑائی نہ کرنا۔ اس میں خدا تعالیٰ
نے مسلمانوں کو بتایا ہے۔ کہ جب تم حج کے لئے نکلو تو یہ تین باتیں یاد رکھو۔ آج جلسہ
کا پہلا دن ہے۔ اور ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔ حج خدا تعالےٰ نے مومنوں
کی ترقی کے لئے مقرر کیا تھا۔ آج احمدیوں کے لئے دینی لحاظ سے تو حج مفید ہے
مگر اس سے جو اصل غرض یعنی قوم کی ترقی تھی۔ وہ انہیں حاصل نہیں ہو سکتی
کیونکہ حج کا مقام ایسے لوگوں کے قبضہ میں ہے۔ جو احمدیوں کو قتل کر دینا بھی جائز
سمجھتے ہیں۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے قادیان کو اس کام کے لئے مقرر کیا ہے۔ ہمارے
آدمیوں میں سے جن کو خدا تعالیٰ توفیق دیتا ہے حج کرتے ہیں۔ مگر وہ فائدہ جو حج
سے مقصود ہے۔ وہ سالانہ جلسہ پر ہی آکر اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو اس
غرض کے لئے نکلے۔ وہ گندی اور لغو باتیں نہ کرے۔ خدا کے کسی حکم کی نافرمانی
نہ کرے۔ اور لڑائی جھگڑا بھی نہ کرے۔

پس میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں

کہ آپ لوگوں کو اگر یہاں آکر فائدہ اٹھانا ہے۔ تو ان احکام پر عمل کرو۔ ایک دوسرے
سے فضول باتیں کرنا۔ گپیں ہانکنا لغو اور بیہودہ قصے سننا سنانا اور بہت جگہ بھی
ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہی باتوں کو نابود کرنے
کے لئے تلوار کھینچی ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ ان کو
مٹا کر یہ اجتماع قائم کیا ہے۔ تو جس طرح اس شخص کیلئے وہ حج بے فائدہ اور غیر مفید
ہے جو رفث۔ فسوق اور جدال کو حج کے ایام میں نہیں چھوڑتا۔ اسی طرح اس جلسہ

آنیوالا وہ شخص بھی ثواب اور فائدہ سے محروم رہتا ہے جو ان باتوں کو نہیں چھوڑتا۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ تمہیں ان باتوں کے چھوڑنے میں
دقتیں پیش آئینگی مشکلات ہونگی مثلاً ایک شخص کو کسی نے گالی دیدی اگر وہ یہ کہے کہ میری
غیرت نہیں برداشت کر سکتی میں ضرور اس سے بدلا لونگا۔ ایسا آدمی اگر صبر سے کام لے تو
گو اس کیلئے کسی قدر مشکل ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم اسطرح خدا کیلئے کرو گے تو کیا یہ
ضائع جائیگا ہرگز نہیں تم جو بھی بھلائی کا کام کرو ہم اسکو خوب جانتے ہیں تم اپنے افسروں اور حاکموں
کو خوش کرنے کیلئے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھاتے ہو اور چاہتے ہو کہ وہ تمہاری ان خدمات کو دیکھیں
لیکن جب تم کو یہ معلوم ہو کہ ہم جو کچھ خدا کیلئے تکلیف برداشت کرینگے اسکے دیکھنے اور جاننے والا خدا موجود
ہے تو کیا تم اس کیلئے تکلیف برداشت نہیں کر سکتے۔ وَتَزَوَّدُوا جب دنیا میں لوگ سفر کیلئے نکلتے
ہیں۔ تو کیسی تکالیف برداشت کرتے ہیں اور سامان سفر کے مہیا کرنے کیلئے انسان کسطرح اسباب
اور دیگر اشیاء مہیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ جو تم ایک جگہ جمع ہوئے ہو تو یہ تمہارے ایک
آخرت کے سفر کی تیاری ہے تمہیں چاہیئے کہ جب تم چھوٹے چھوٹے سفروں کیلئے سامان مہیا کرتے ہو
تو اسکے لئے بھی کرو۔ اور سب سے اچھا سامان تو یہ ہے کہ تقویٰ [illegible] مہیا کرو۔ اگر تمہیں تکالیف اور
مشکلات برداشت کرنی پڑیں تو کر لو۔ دنیا میں انسان اگر کسی دکھ اور تکلیف کے برداشت کرنے کیلئے
تیار نہیں ہوتا تو اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں ایسا کروں تو مجھے نقصان اٹھانا
پڑیگا۔ مثلاً کسی کو کسی نے گالی دی۔ تو وہ یہ سمجھیگا کہ اگر میں نے اس کا جواب نہ دیا اور چپ ہو
رہا۔ تو میری ہتک اور ذلت ہوگی تو انسان نقصان کے خطرہ کی وجہ سے تکلیف کے برداشت
کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ہمارے
مقابلہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اسلئے اے نادانو تم مجھ سے ہی ڈرو اگر تم مجھ سے ہی
ڈرو گے تو کون ہے جو تمہیں نقصان پہنچا سکے۔ تو یہ خوب یاد رکھو کہ رفث۔ فسوق اور جدال تو
ہمیشہ ہی منع ہے مگر اس اجتماع کے موقعہ پر یہ اسلئے بیان کیا گیا ہے۔ کہ انسان ہمیشہ کیلئے
اپنے آپ پر دباؤ نہیں ڈال سکتا مگر ایک وقت کے لئے تو وہ ڈال سکتا ہے مثلاً ایک شخص کسی
کو گالیاں دے رہا ہو لیکن اگر اسکو اسی وقت اپنے افسر کے سامنے جانا پڑے تو وہ اپنی
ق

زبان کو روک لیگا۔ اور اپنے نفس پر دباؤ ڈالیگا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب جو تم خدا کے حکم سے ایک جگہ جمع ہوئے ہو۔ تو ان باتوں کو اس موقع پر قطعاً چھوڑ دو۔ اور ان کو چھوڑ کر جو تم بھلائی کماؤ گے اسکو اللہ خوب جانتا ہے۔ تم لوگ جو اِن جلسہ کے پانچ ایام میں ان باتوں کو چھوڑ دوگے اور اپنے نفس پر ظلم برداشت کروگے اور اپنے نفس کو مار دوگے تو یہ جو تمہاری بھلائی ہوگی۔ خدا تعالیٰ اسکو جلا دیگا نہیں۔ بلکہ اسی کے عوض تم سے ساری عمر کیلئے یہ باتیں چھڑا دیگا۔ ایک کسان کھیت میں بیج ڈالکر اسکو خدا کے حوالہ کرآتا ہے۔ تم بھی اس بیج کی طرح اپنے دلوں میں اس بھلائی کو ڈالکر خدا تعالیٰ کے حوالہ کردو۔ وہ خود آپ سے بڑھائیگا اور اسکی حفاظت کریگا۔ بیج ضرور ہونا چاہیئے۔ اسکو بڑھانا خدا کا کام ہے۔ اور وہ ضرور بڑھاتا ہے۔ پھر ان دنوں میں جو کچھ کرنا چاہیئے وہ بھی خدا تعالیٰ نے بتا دیا ہے۔ فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللّٰہ کذکرکم اٰباءکم او اشدّ ذکرا۔ یعنی جب تم مناسک حج کو پورا کرلو۔ تو ساتھ ہی اس طرح خدا کو یاد کرنا شروع کردو۔ جس طرح تم اپنے ماں باپ کو یاد کرتے تھے۔ اور خدا کا ذکر اس سے بھی بڑھ کر کرو۔ یہاں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ماں باپ کا جسطرح ذکر کرتے تھے اسی طرح خدا کا کرو۔ ماں باپ کا تعلق تو بہت محدود ہوتا ہے۔ لیکن جو ہمیں اس خدا تعالیٰ کے قائم کردہ جلسہ سے تعلق ہے۔ وہ بہت بڑھکر ہے۔ اسلئے ہمیں اس سے یہ نصیحت ملگئی کہ جیسا حج میں رفث فسوق اور جدال منع ہیں۔ ایسا ہی اس جلسہ میں بھی منع ہیں۔ اور جیسا حج میں مناسک حج کے بعد ذکر خدا کا حکم ہے۔ اسی طرح ہماری جماعت جب لیکچر سننے سے فارغ ہو جائے تو فاذکروا اللّٰہ تم خدا کے ذکر میں لگ جاؤ۔

اس حکم میں وہ لوگ بھی شامل ہیں۔ جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں حج کرچکنے تو اپنے آباء اجداد کا نام لیکر ان کا ذکر کرتے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ خدا کا ذکر کرو اس سے بڑھ کر جیسا کہ تم اپنے آباء کا کرتے ہو اس کے یہ معنی ہی نہیں ہیں کہ جسطرح تم اپنے ماں باپ کی تعریف کرتے ہو۔ اسی طرح یا اس سے زیادہ خدا کی کرو۔ بلکہ یہ بھی کہ جس طرح ایک چھوٹا بچہ ماں باپ سے جب بچھڑ جاتا ہے تو روتا اور چلاتا ہے۔ اور اس وقت تک آرام نہیں

لیتا۔ جبتک کہ اپنے ماں باپ کو نہ پالے۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ خدا کے لئے
انسان کو تڑپنا اور بلکنا چاہیئے۔ جن لوگوں کو یہ حکم دیا گیا تھا۔ کہ تم جو اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو
اس سے بڑھ کر خدا کا کرو۔ وہ تو گذر گئے۔ (اہل عرب حج کے بعد اپنے آباء و اجداد کے کارنامے
فخریہ بیان کیا کرتے تھے) مگر ہمارے لئے یہ موقع ہے تم یقیناً سمجھو کہ جو لوگ ان احکام کو
مانینگے۔ اور ان پر عمل کرینگے۔ وہ اپنے اندر نمایاں تغیر اور تبدیلی دیکھینگے اور جب یہاں
سے واپس جائینگے۔ تو بہت سی ان کمزوریوں سے جنکو وہ دور کرنا چاہتے تھے اور وہ
دور نہیں ہوتی تھیں۔ آسانی سے دور کر دینگے۔ خدا انہیں اس کی توفیق دے ؛

رہائش کے متعلق ہدایات

ایک اور بات میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ سردی کے دن ہیں۔ سردی سے بچنا۔ بغیر کافی کپڑوں کے
باہر نہیں نکلنا چاہیئے۔

مومن کی جان قیمتی چیز ہے

ہم جو اسقدر کوشش کرتے ہیں کہ ہماری جماعت بڑھے تو جو اس جماعت میں داخل ہو گئے
ہیں۔ کیا ان کی ہمیں قدر نہیں! بہت بڑی قدر ہے۔ پس تم اپنی جانوں کی حفاظت کرو۔ اور
سردی سے بچنے کی بہت کوشش کرو۔ بعض لوگ اپنے ڈیروں پر ہی نماز پڑھ لیتے ہیں یہ دن
تو بہت زیادہ عبادت کرنے کے دن ہیں اسلئے نماز با جماعت مسجد میں پڑھنی چاہیئے مومن
کبھی سست نہیں ہوتا۔ تم نے تو بڑے کام کرنے ہیں۔ تمہارے آگے ساری دنیا ہے جسکو
تم نے فتح کرنا ہے۔ جو لوگ دار العلوم میں رہتے ہیں وہ مسجد نور میں اور جو قادیان
میں رہتے ہیں وہ چھوٹی اور بڑی مسجد میں نمازیں پڑھیں ؛

اہل قادیان کو نصیحت

وہ لوگ جو قادیان کے رہنے والے ہیں۔ ان کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ پانچ باتیں جن لوگوں میں پائی جاتی
ہوں۔ وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتے۔ اور ان پانچوں میں سے ایک مہمان کی قدر
کرنا ہے۔ قادیان کے رہنے والے کہتے ہیں کہ ہماری نسبت حضرت مسیح موعود کے الہامات ہیں
اور آپ نے ہماری نسبت بہت عمدہ الفاظ فرمائے ہیں۔ میں ان باتوں کو مانتا ہوں مگر تم اپنے

اعمال سے بھی ثابت کر دکھاؤ۔ کہ واقعی ان باتوں کے مستحق ہو۔ پس جو مہمان تمہارے پاس آئے ہیں۔ ان کی خاطر اور تواضع میں لگ جاؤ۔ کوئی یہ نہ سمجھے۔ کہ یہ میرے مہمان نہیں ہیں۔ اسلئے مجھے خدمت کرنیکی کیا ضرورت ہے۔ اسکو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ تو اللہ تعالےٰ کے مہمان ہیں۔ اور تم اس کے بندے ہو۔ تو کہ یہ بندے کا فرض نہیں ہے۔ کہ اپنے آقا کے مہمان کی خبر گیری کرے ضرور ہے پس یہ مہمان خدا کے گھر اور خدا ہی کی آواز پر آئے ہیں کیونکہ ماموریمن اللہ کی آواز خدا ہی کی آواز ہوتی ہے تم لوگ انکی خبر گیری کرو۔ اگر تمہیں کسی سے تکلیف بھی پہنچ جائے۔ تو اسکو برداشت کرو۔ اور کسی کی ہتک کرنیکا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ جو مہمان کی ہتک کرتا ہے۔ وہ اپنی ہی ہتک کرتا ہے کیونکہ مہمان اسکی عزت ہوتا ہے پس اس سے احمق کون ہے جو اپنی عزت آپ برباد کرے یا اپنا گلا آپ ہی کاٹے۔ تم لوگ ہر طرح سے مہمانوں کی خاطر اور تواضع میں لگے رہو۔

حاضرین سے خطاب اللہ تعالےٰ نے توفیق دی۔ تو میں آپ لوگوں کو درد کی باتیں سناؤنگا۔ یہاں ہی کسی نے کہا تھا۔ کہ ہمارے جانے کے بعد یہاں عیسائی پھر بیٹھینگے۔ اللہ تعالیٰ کا کتنا فضل ہے۔ کہ آج یہاں مسلمان ہی اترے ہوئے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں۔ کہ جلسہ کے ایام میں لوگ ٹھہرینگے اللہ جن کو توفیق دیگا۔ میری باتیں سنیں گے۔ اور میں سناؤں گا۔

(دوسرا خطبہ جمعہ پڑھتے ہوئے حضور نے فرمایا)

مجھے ایک اور خیال آیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ جلسہ کے ایام میں ذکر الہٰی کرو۔ اس کا فائدہ خدا تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اذکروا اللہ یذکرکم اگر تم ذکر الہٰی کروگے۔ تو خدا تمہارا ذکر کرنا شروع کر دے گا۔ بھلا اس بندے جیسا خوش قسمت کون ہے۔ جس کو اپنا آقا یاد کرے اور علاوہ ذکر الہٰی تو یہی بڑی نعمت خواہ اس کے عوض انعام ملے یا نہ ملے پس تم ذکر الہٰی میں مشغول رہو۔